قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی
بانی دار العلوم دیوبند
اور اکابرِ امت کے علوم و افکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دار العلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ
ندائے دار العلوم وقف دیوبند
ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ مطابق نومبر ۲۰۲۴ء شمارہ نمبر ۵

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ	۳۰/روپے
سالانہ علاوہ ڈاک خرچ	۳۶۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۵۵۰/روپے
تاعمر	۶۰۰۰/روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدتِ خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شائع کردہ: شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

اداریہ

تعلق جمال ومناسبت کمال کی آئینہ دار شخصیت	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب	۳

مقالات و مضامین

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور خلافت ...	حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب	۹
مسئلہ فلسطین اور سلطان عبدالحمید ثانی	مولانا عتیق احمد بستوی	۳۱
دینی مدارس کے لئے ''لسان قوم'' کی اہمیت	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۳۵
حیوانات کے حقوق اور احکام	مولانا امانت علی قاسمی	۳۸
الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم، موبائل فون اور انٹرنیٹ	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۴
فرشتوں کی دعاؤں کے مستحق ...	مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی	۵۰
خمخانۂ قاسمی کا ایک جرعۂ نوش	مولانا نسیم احمد فریدیؒ	۵۴
علم کلام جدید	حکیم فخرالاسلام	۶۰

خبرنامہ

احوال وکوائف	ادارہ	۶۲

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ **Website: www.dud.edu.in**

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸ر تا ۲ر بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439512767, +91 8439412767

اداریہ

تعلق جمال ومناسبت کمال کی آئینہ دار شخصیت

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

عصر رواں کی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیت حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کی فیض رساں صحبت سے شرف یافتہ برادر مکرم جناب مولانا محمد جاوید ثقلین صاحب بتوفیق رب ذوفضل حضرت علامہ صاحبؒ کے وقیع تر علمی افکار ونظریات اور ان کے گراں قدر علمی افادات پر تحقیق وتدقیق، ترتیب وتدوین اور اس کی ترویج واشاعت کے لائق قدر افزاء جہود ومساعی میں مصروف عمل ہیں، درپیش کاوش علم کے تعلق سے موصوف مکرم کی خواہش وطلب پر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے زیر نظر مضمون تحریر فرمایا ہے مناسب معلوم ہوا اس کی معلوماتی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہ رواں میں اداریہ کے نقطۂ نگاہ سے نذر قارئین کیا جائے۔ (ادارہ)

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ❁ تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

مرزا غالب کا یہ شعر جب بھی نظر سے گزرا جو کہ انسانی عظمت اور فنا کے مابین فکر انسانی کے تضاد کا مظہر ہے تو اس کے مصداق بلند پایہ شخصیات کے جلو میں شیخ الاسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی رفیع المرتبت ہشت پہلو شخصیت ذہن کی تصوراتی سطح پر بے نظیر خصوصیات اور فقید المثال اختصاصات سمیت اپنی موجودگی کا بڑے نمایاں اور ممتاز انداز میں احساس کراتی رہی ہے، اگرچہ مدۃ العمر میں مشافہۃ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات اور فیض صحبت کا کل دورانیہ اس قدر مختصر ہے کہ اگر اس کو گھنٹوں اور منٹوں میں حصر کیا جائے تو اس عرصۂ فیض کا وقفہ بہ مشکل تمام ہی لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (۱) کا مصداق بن پائے گا لیکن وقت کی اس مختصر ترین مہلت کی معنوی تاثیر شعور کی سطح پر آج بھی اپنی تازگی وشگفتگی کو بایں طور باقی رکھے ہوئے ہے کہ کسی بھی موقعہ کی مناسبت سے یا کسی بھی گفتگو کے ذیل میں حضرت علامہ صاحبؒ کا تذکرہ آجانے پر ذہنی وفکری تقریب کے والہانہ احساسات قلب کی سطح پر خوشگوار نقوش مرتسم کیے دیتے تھے۔

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) سورۃ المؤمنون، آیت: ۱۱۳

خانوادۂ قاسمی سے از راہ للّٰہیت دوطرفہ اخلاص خالص پر مبنی، عقیدت ومحبت، مروت و پاسداری اور بزرگانہ شفقت وعنایت کے حوالے سے تین نسلوں پر محیط اس نسبت و تعلق کی کیفیت کا اگر اسباب ظاہری اور وصف معنوی کے رنگ و آہنگ کی اساس پر تجزیہ کیا جائے تو دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں، اسباب ظاہری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو شیخ الاسلام حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور جد مکرم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کے مابین بلند معیار علمی افادات واستفادات کے تسلسل اور بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے الہامی وآفاقی علوم نانوتوی کی مقصدی تشریحات وتوضیحات کی تفہیمات وتشریحات اوراس کی فیض رساں اساس پر قائم ہونے والا یہ پر خلوص اور عقیدت مندانہ تعلق فرق عہد وتبدیلی نوعیت کے ساتھ رسومات وتکلفات سے عاری معاصرانہ رنگ اخلاص میں منتقل ہوتا ہوا والد محترم حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) سے علم وعمل، سلامتی طبع، دقیقہ رسی وزودفہمی خیر خواہی وہمدردی اور جرأت اظہار حق جیسی مشترک ذہنی ومزاجی اقدار کی بنیاد پر زندگی کے آخری لمحات تک دراز رہا، دریں اثناء پیش آمدہ ان دو مواقع کو میں مدۃ العمر فراموش نہیں کر پاؤں گا جبکہ حضرت والد صاحب اور حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدھما کی مجلسی ملاقات میں راقم السطور کو معیت وحاضری کی سعادت وسرفرازی حاصل رہی بہ ہر دو بزرگان کی ملاقات کے ان تاریخی حیثیت کے حامل لمحات کی اہمیت کا احساس اوراس کے دلکش ودلفریب اورانمٹ نقوش آج بھی فکر ونظر اور قلب وذہن میں روز اول کے مثل تازہ ہیں جس میں بہر دو بزرگان مرحومین کے مابین اس عہد کے گذرتے ہمہ جہت علمی وعملی منظرنامے کے تعلق سے ہونے والی گفتگو کے رمز کشا اقتباسات بہ لحاظ عمر فہم وشعور کے مطابق ایک مدت گذر جانے کے باوجود نہ صرف یادداشت میں محفوظ ہی ہیں بلکہ اس کے افاداتی پہلو میرے لیے مختلف فکری ناحیوں کے حوالے سے راہنما خطوط فراہم کرنے کا وسیلہ ثابت ہوتے ہیں جن کو میں اپنے حاصل شدہ افادات کے نقطۂ نظر سے اپنی زندگی کی بابرکت ساعات میں شمار کرتا ہوں، راقم السطور کو اپنے اوائل حیات سے شعور کی پختگی کے دور تک حضرت علامہ صاحبؒ کے علمی شگفتگی حاضر جوابی دقیقہ رسی مناظرانہ نکتہ شناسی زودفہمی اور تفہیم مسائل کی علی قدر العقول کی تسہیلی صلاحیت جیسے متعدد اوصاف حمیدہ کے واقعات حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی صحبت وقربت میں سننے کو ملا کرتے تھے جس کے نقش بستہ تاثیری آثار نے حضرت علامہ صاحبؒ کی علمی عظمت کو فکری سطح پر مزید بلندیوں سے ہمکنار کیا اور پھر جیسے جیسے شعور پختہ ہوا حضرت علامہ صاحبؒ کی مصنفات واقتباسات کا مطالعہ میرے علمی مشاغل کا حصہ بنتا چلا گیا، کہن سالہ اس بے لوث اور مخلصانہ تعلق کا یہ تسلسل تین نسلوں اور آٹھ دہائیوں پر محیط ہے جس کا وقفۂ

آغاز عقیدت وارادت سے عبارت ہے، اس کا عرصۂ وسط بے تکلف محبت ومروت اور دو طرفہ متوازن احترام باہمی پر قائم نظر آتا ہے بعد ازاں یہ والہانہ علاقہ ولگاؤ تیسری نسل میں راقم السطور تک آکر خورد نواز بزرگانہ شفقت ونوازشات کے متأثر کن نقش جمیل میں تبدیل ہوگیا مانچسٹر میں جب بھی شرف ملاقات کی سعادتیں میسر آئیں اور جو وقت بھی ان کی صحبت ومعیت میں گذرا وہ کسی نہ کسی نوع سے علم ومعلومات میں مفید اور مقصدی اضافہ کا سبب ثابت ہوا، الحمدللہ ان کی صحبت نافع سے تہی دست کبھی واپسی نہیں ہوئی البتہ بوجہ مجبوری نشست مختصر کی گراں باری کا احساس ہر ایک ملاقات کے بعد ایک طویل وقت تک ضرور دامن گیر رہا۔

''تصور تیرے بعد اس کا بھی نقشہ سامنے آیا'' کے مصداق پاکستان نژاد مانچسٹر کے رہائشی محبت ومروت اور تعلق شناسی کی اعلی اقدار کے اوصاف سے متصف ایک دلکش ودلنواز شخصیت کے حامل حضرت علامہ صاحبؒ کے مجلس نشین صحبت یافتہ عاشق زار محترم جناب حاجی عبدالرحمٰن شاد صاحب حق تعالیٰ ان کو مکمل صحت وعافیت کے ساتھ طول عمر کی برکتوں اور رحمتوں سے بہرہ ور فرمائیں جن سے راقم السطور کے محبانہ بے تکلف تعلقات کی پشت پر ایک طویل مدت کی شہادت موجود ہے ان سے انگلینڈ کے علاوہ حج وعمرہ کے موقع پر اکثر مبنی بر اخلاص ومحبت بے تکلف ملاقاتیں رہا کرتی تھیں جس میں اکثر وبیشتر گفتگو موضوعِ محور مشترک دلچسپی کی اساس پر حضرت علامہ صاحبؒ کی ہشت پہلو شخصیت کے مختلف رنگ وآہنگ کے علمی وحکمت آموز انفرادی واجتماعی احوال وواقعات ہوا کرتے تھے، اگرچہ موصوف مکرم کا تذکرہ جملۂ معترضہ کے طور پر آیا ہے مگر حضرت علامہ صاحبؒ کے تذکرۂ خیر سے مربوط بعض اہم گوشوں سے تعلق رکھنے کے سبب میرے ذخیرۂ یادداشت میں محترم حاجی صاحب کی دلآویز وجذاب شخصیت بوجوہ میرے لیے اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کے ذکر خیر کے ساتھ ان کا تذکرہ کئے بغیر بات ادھوری سی محسوس ہوتی ہے، بات اگر حکایات وواقعات کے بیان تک جا پہونچی تو مزید طویل ہوجائے گی۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک موقعہ پر انگلینڈ میں اپنے طویل العمر قیام کے اسباب وعلل کو ایک واقعہ سے عجیب انداز ربط سے مدلل کرتے ہوئے فرمایا کہ آج میں تمہیں ایک ایسی قیمتی اور تاریخی بات بتاتا ہوں جس کو شاید میرے بعد زبانی طور پر کوئی دوسرا بتانے والا نہیں ملے گا، البتہ واقعہ کی انشائی جزئیات سے عاری تحریری صورت میں اس واقعہ کی تفصیلات شاید کہیں مل جائیں، لیکن اگر اس بات کو کہیں تحریر کرو یا نقل کرو تو جزئیات کی معلومات کے لیے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ سوانح قاسمی سے مراجعت ضرور کرلینا تاکہ بیان کردہ واقعہ اور تاریخوں میں کسی قسم کا کوئی التباس باقی نہ رہے، دراصل اس واقعہ کی تفصیل اور اسکی تاریخی اہمیت کے بیان سے ''میرا مقصود دراصل وہ نکتہ ہے جس کی مستدل میری اپنی ذات ہے'' اور اس بات کا براہ راست معنوی تعلق انگلینڈ میں میری آمد وقیام سے مربوط ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ سن ۱۲۹۴ھ کے ماہ شوال میں ادائیگی حج کی غرض وغایت کے ساتھ بادبانی جہاز سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے، ماقبل کے دومرتبہ سفرحج کے بعد یہ حضرتؒ کا تیسرا اور آخری سفرحج ہے جسکی انتظامی سرپرستی فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اولین سرپرست دارالعلوم دیوبند فرمارہے تھےاور ابتدائی صدرالمدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدھما بھی رفقاء سفر کی حیثیت سے ساتھ ہیں علاوہ ازیں اس قافلہ کے ممتاز شرکاء میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ جن کو برصغیر میں اسلامی تعلیمات کی تجدید واشاعت کی تحریک میں نمایاں مقام حاصل تھا، حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم ثالث دارالعلوم دیوبند جن کی متوازن علمی وانتظامی خدمات اور درویشانہ باعظمت اوصاف کو دیوبندی مکتب فکر میں اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے (جن کی عدم موجودگی میں حضرت حاجی فضل حق صاحبؒ نے اہتمام کے فرائض انجام دیئے) مولانا سخاوت علی انبھٹوی صاحبؒ کے علاوہ متعدد متعلقین ومتوسلین جوکہ حضرت نانوتویؒ سے خادمانہ عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے تھے وہ بھی اس قافلۂ حج میں شامل ہوگئے، حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کے بقول یہ قافلہ ۱۰ر شوال المعظم ۱۲۹۴ھ پنج شنبہ ۱۸ر اکتوبر ۱۸۷۷ء کو روانہ ہوا اور ہوا کے دوش پر خراماں خراماں سفر طے کرتا ہوا بادبانی جہاز پر سوار یہ کاروان حج یکم ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۷ر نومبر ۱۸۷۷ء جدہ کے ساحل پر لنگرانداز ہوا، سفر کے دوران وبائی مرض کے پھیلاؤ کے خطرات کے پیش نظر عدن میں قرنطینہ ہوا، اسی درمیان جہاز کے انتظامی عملے سے تعلق رکھنے والے ایک جرمن پروفیسر سے حضرت نانوتویؒ کی ملاقات ہوئی اور ترجمان کی وساطت سے رائج الوقت تمدنی ومعاشرتی فلسفہ پر گفتگو ہوئی جس میں پروفیسر صاحب نے یورپ میں مروجہ فلسفۂ معاشرت کے اصول واساسات کی تفصیلات سے آگاہ کیا، جس کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے ''**کلموا الناس علی قدر عقولھم**'' کی اصولی بنیاد پر دین اسلام کے مبادیاتی منشور کو مدلل ومبرہن انداز میں بیان فرماتے ہوئے حیات انسانی کے مبداء ومعاد اور درمیانی وقفۂ میعاد میں بنی نوع انسانی کی اصولی وشرعی ذمہ داریوں کی مستحکم ونتیجہ خیز اساسات سے جرمن پروفیسر صاحب کو آگاہ کراتے ہوئے بتایا کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے مطابق معاشرت ہی کیا بلکہ تمام معاملات بنی نوع انسانی سمیت نفس عالم کے بقائے حیات کی بھی خشت اساس اصول توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود وحدانیت کے اس عقیدہ پر ہی قائم ہے جو مذہبی تعصّبات سے ماوری فطرت انسانی کا منطقی تقاضہ ہونے کے ساتھ سلیم العقل اور حلیم الطبع افراد انسانی کو اس فکری کلیہ پر غور وتدبر کی دعوت دیتا ہے جس کی پشت پر کائنات کے دقیق وعمیق حقائق کو ثبوت بہم پہونچانے کے لیے ایک ایک ذرۂ کائنات عقلی گواہ کی حیثیت سے موجود ہے جو ہمیں اس حقیقت پر یقین محکم کی قوت بخشتا ہے کہ کون ومکاں کے ایک ایک جزو اور ریزہ وپارہ کے خالق کی حیثیت سے حق تعالیٰ کے نزدیک ہم

سب بحیثیت انسان برابر ہیں پیدائشی طور پر کسی بھی طبقۂ انسانی کو دوسرے پر کوئی تفوق و برتری حاصل نہیں ہے، تعلیمات اسلام کے مطابق عدل و مساوات، محبت و انصاف بلا تفریق رنگ و نسل اقوام و ملل، تقوی کی اہمیت، باہمی ہمدردی کا فروغ، حسن اخلاق کی اساس پر دیانت و امانت کی تعلیم، معاشرتی تنظیم کے بنیادی جز محور خاندان کی حفاظت، حقوق العباد کا باہمی احترام، معاشرے کے کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ اور ان کو معاشی قوت رسد بہم پہونچانے کے لیے اسلام کے نظام زکوٰۃ جیسے اہم عناصر سے متعارف کرایا، مذاکرات کے اختتام پر پروفیسر صاحب کے جانے کے بعد حضرت نانوتویؒ نے مجلس میں موجود رفقائے سفر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ترجمہ بہر حال ترجمہ ہی ہوتا ہے جو بوجوہ اصل کے قائم مقام کبھی نہیں ہو سکتا ہے آج مجھے اپنے انگریزی نہ جاننے کا بیحد احساس رہا اور میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر فرصت حیات باقی رہی تو ہندوستان واپس پہونچ کر میں انگریزی سیکھوں گا پھر اس کے بعد ایک مرتبہ یورپ کا سفر کروں گا تاکہ ان لوگوں کو بتا سکوں کہ صرف فلسفۂ معاشرت ہی نہیں بلکہ ان تمام تہذیبی مبادیات کو جنہیں ان کی تہذیب و معاشرت میں حکمت عمل کی حیثیت حاصل ہے اس میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو دین اسلام کی مستحکم اور ابدی و منطقی اساسات کے سامنے ٹھہر سکے۔

دراصل یہ حضرت نانوتویؒ کا ایک پختہ عزم تھا جو کہ اس وقت تو یقیناً خواہش و آرزو کے ہی درجے میں رہا ہوگا، سوئے قسمت کہ مہلت حیات تمام ہوئی اور یہ تمنا ناتمام رہ گئی، لیکن ذات حق جل مجدہ اپنے مقربین کے دل میں علی وجہ الاخلاص پنپنے والی طلب کو ناتمام نہیں رہنے دیتے ہیں بلکہ اس کو بہ رنگ دگر پورا فرما دیتے ہیں، یہاں پہونچ کر حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آج میں سوچتا ہوں کہ میرا انگلینڈ آنا اور آکے یہیں کا ہو جانا بے سبب نہیں تھا بلکہ وہ منجانب اللہ حضرت نانوتویؒ کے عزم کی تکمیل کا سامان تھا جو حق تعالیٰ نے اپنی توفیق اور عطاء خاص سے میرے سپرد کیا اور میں نے انگلینڈ میں اپنے طویل ترین قیام کے دوران مقصدی اعتبار سے اسی فریضہ کو انجام دیا اور انگلینڈ کے علاوہ یورپ کے دیگر بہت سے ممالک میں منعقد ہونے والے دینی اجتماعات کانفرنسز اور مجالس میں احباب سے لے کر طبقۂ اغیار کے اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے مقتدر و بااثر افراد سمیت عوامی سطح تک خطبات و بیانات، تقریر و خطابات، مصنفات اور تحریرات و مکتوبات، مناظرات و مکالمات اور عہد رواں کے رائج الوقت درپیش مسائل کے تناظر میں استفسارات کے ذریعہ مبادیات اسلام اساسیات دین اور ان کی حکم و مصالح احکامات شرعیہ کی تبلیغ و ترویج، اشاعت و ابلاغ ہی مدۃ العمر میرا مقصدی موضوع اور وظیفۂ حیات رہا اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ فریق مخاطب کے فکر و فہم اور نفسیاتی پس منظر کے مطابق بروقت عقل و نقل کے مرصع دلائل سے نفی و اثبات کا وصف مصنفات نانوتوی کے مطالعہ کا رہین منت اور ان کی روحانی توجہات پر میرے لیے دلیل کی حیثیت

رکھتا ہے جس سے بحمد اللہ مجھے بروقت و برمحل تقویت کے اسباب ظاہری فراہم ہوتے رہے، بنابریں گمان یہ ہوتا ہے کہ اگر حضرت نانوتویؒ اپنے عزم کی تکمیل کے لیے یورپین ممالک کا سفر کرتے تو اغیار کے تحقیقی ذوق ومزاج مطالعاتی تفہیم تہذیبی نفسیات فکری مستوی اور رد وقبول کے معیارات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا منہج عمل کچھ اسی طرح کا متعین کرتے جس کو میں اپنی ذات کے لیے بالخاص یورپ میں سفیر نانوتوی سے تعبیر کرتا ہوں جو میرے لیے منجانب اللہ خوش بختی واقبال مندی کا استعارہ ہے۔

علی وجہ البصیرت میں یقین رکھتا ہوں کہ لوجہ اللہ اخلاص خالص کی اساس پر حضرت علامہ صاحبؒ کے وسیلہ سے انجام دی جانے والی علمی و تعلیمی اور ملی گراں قدر ہمہ جہت و ہمہ رنگ خدمات اور جہود ومساعی نے ان شاء اللہ بارگاہ رب کریم سے مقام مقبولیت تک رسائی پائی ہے اور دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد ان کی بیش قیمت مصنفات وتحریرات اور خطبات ومحاضرات کی صورت میں محفوظ ان کے افکار ونظریات اور گراں قدر علمی تراث پر ان کے صحبت یافتہ سعادت مند اخلاف رشید کے ذریعہ مختلف رنگ وآہنگ میں تحقیق وریسرچ کا بہ رضائے رب تسلسل عند اللہ ان کی قبولیت اور مستقبل شناس نگاہ دوررس کی دلیل ومظہر ہے۔

دراصل نسلوں میں علم کی ارتقائی ترویج واشاعت کی مرکزی بنیاد رجال سازی کے عمل سے مربوط ہے حضرت علامہ صاحبؒ کا فکر رسا اس بیش بہا رمز وکلید کا نکتہ شناس تھا، برادر مکرم جناب حضرت مولانا اقبال احمد صاحب رنگونی کی گرانقدر علمی وتحقیقی خدمات، معتمد خاص ورمز آشنائے مزاج برادر محترم جناب حضرت مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب کی اسم بامسمیٰ فیض رساں تعلیمی خدمات کا بابرکت تسلسل، برادر عزیز جناب مولانا عمار سلیم صاحب مدنی کی تراث علمی پر تواتر کے ساتھ جہود ومساعی کے نتیجہ میں مفید مطلب تشریحی اضافات کا منصۂ شہود پر ظہور جیسے امور، برادر عزیز جناب جاوید ثقلین صاحب کا حضرت علامہ صاحبؒ کے افکار ونظریات کی تحقیقی وتجزیاتی نقطۂ نظر سے اشاعت وترویج کے حوالے سے مہمات وسرگرمیاں اور لائق قدر کوشش وکاوشیں دراصل اسی رہنما فکر کے حسین ودلکش متنوع آثار اور اس کے علمی وتعلیمی اور فنی نقوش دراصل اسی ترجمانی مابعد کے اظہار کے ہی مسلسلات ہیں۔

بارگاہ رب ذوالکرم میں دست بہ دعاء ہوں حق تعالیٰ جل مجدہ اپنی بیکراں رحمتوں کے زیر سایہ حضرت علامہ صاحبؒ کے نفع بخش سرچشمۂ فیض کو دوامی برکات سے سرفراز فرماتے ہوئے اس کاروان علم کے ہمہ انواع تحقیقاتی کام میں شریک ہر ایک فرد کو علی حسب الجہود بہترین جزاء سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

وما علينا إلا البلاغ المبين

مقالات و مضامین

برصغیر ہند میں دینی نظام تعلیم کے مجدد متکلم اسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور خلافتِ عثمانیہ ترکی

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ ❖

تاریخ عالم میں بار ہا ہوا ہے کہ کسی قوم یا ملک کے زوال پذیر معاشرے؛ بلکہ کئی مرتبہ ایسے سخت حالات اور وقت میں جب اس قوم کے باشندوں اور اس ملک میں ملت کے افراد کے لیے امید کی کوئی کرن، مستقبل کی کوئی امنگ اور نوید باقی نہیں رہتی، اچانک کوئی ایک شخص نمودار ہوتا ہے، جو اپنی بے لوث خدمت، بے پناہ صلاحیت، مستقبل بینی اور دور اندیشی کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ذریعے سے آنے والے وقت کے بگاڑ و زوال کا ادراک و اندازہ کر لیتا ہے، اور دیکھ لیتا ہے کہ یہ جو جہالت و بے راہ روی اور دین سے بے زاری کی فضا بنی ہے، اگر ابھی سے اس کے مقابلے کا منصوبہ نہ بنایا گیا اور آنے والے متوقع طوفان کے لیے اگر ابھی سے فکر و کوشش نہ کی گئی، ابھی سے باندھ نہ بنایا گیا، تو آنے والے وقت میں حالات کا یہ بہاؤ، بگاڑ کے یہ سامان اور زوال کے یہ روش، قوم و ملت اور ملک کے باشندوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گی، اور ہو سکتا ہے کہ پھر اس درخت کی جڑیں جمانا اور اس سے نئی پود، نئی نسل تیار کرنا دشوار ہو جائے۔ ایسے وقت میں یہ غیر معمولی (عبقری) افراد، کوئی ایسی تدبیر، ایسا راستہ اور ایسا نظام تلاش کر لیتے ہیں، جس کے ذریعے سے قوم و ملت کو راہ نجات تلاش کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، اور پھر یہی طریقہ، یہی نظام آہستہ آہستہ مقبول ہو کر قوم و ملت کے مستقبل کی حفاظت کے پشتے اور باندھ کا کام کرتا ہے، اور اسی سے وابستہ رہ کر ملت صدیوں تک اپنی دینی علمی، اصلاحی سیاسی سفر پورے عزم و حوصلے، ثبات و استقلال کے ساتھ طے کرتی رہتی ہے۔

❖ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علمائے ہند

برصغیر ہندوپاکستان کے ایسے ہی نہایت منتخب روزگار اور برگزیدہ افراد میں سے ایک بہت ممتاز نام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ، ہندوستان کے ایک ممتاز باعزت صدیقی خاندان کے فرد، جلیل القدر عالم، حدیث وفقہ کے عالی مرتبہ ماہر، تصوف کے رمز شناس، علوم اسلامی کے شناور، اسرار شریعت کے راز داں، زوال ملت کے نبض شناس، میدان جنگ کے حوصلہ مند سپاہی اور مجاہد، نیز مغلیہ دورحکومت کے بعد ہند وپاکستان کے سب سے بڑے معروف، سب سے بافیض دینی علمی ادارے؛ بلکہ ملت اسلامیہ کی آبرو ''دارالعلوم'' دیوبند کے قافلۂ سالار تھے۔

خاندان ونسب

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کا ایک قدیم صدیقی خاندان سے رشتہ ہے، جو اہل خاندان کی روایت واطلاع کے مطابق ہندوستان کے لودھی خاندان کے بادشاہ سکندر لودھی کے دور حکومت میں ۸۷۸ھ/ (۷۴-۱۳۷۳ء) میں ہندوستان آیا تھا۔ اس خاندان کے ہندوستان آنے والے پہلے شخص شیخ مظہرالدین صدیقیؒ تھے۔ صدیقیانِ نانوتہ کی خداندانی روایت ہے کہ سکندر لودھی نے ان کے علم وکمالات کی شہرت سنی، تو ان کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی، جس کو قبول کرتے ہوئے وہ ہندوستان آ گئے تھے (۱)۔

ان کے فرزند، قاضی میراں بڑےؒ نے سہارن پور کی ایک نواحی بستی نانوتہ کو اپنا مسکن بنایا، (جواب ایک ضلع سہارن پور اترپردیش میں شامل ہے) قاضی میران بڑےؒ کی نانوتہ میں رجب ۹۰۲ھ/ (مارچ ۱۴۹۷ء) کو وفات ہوئی۔ ان کی اولاد میں شیخ محمد ہاشمؒ ایک عالم تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا، ان کی اولاد کی تمام شاخوں میں بڑے بڑے علما، مصنفین اور اہل کمال پیدا ہوئے۔ وہ علما مصنفین اور اہل کمال جو بعد میں برصغیر ہند کی دینی علمی تاریخ کے ماہ وانجم ثابت ہوئے اور جن کی خدمات برصغیر کی تاریخ کے صفحات پر اس طرح مرقوم ومرتسم ہیں کہ اب ان کے تذکرے کے بغیر نہ ہندوستان کی کسی علمی تحریک کا تذکرہ مکمل ہوسکتا ہے، نہ کاروانِ علم واخلاص کا۔ یقیناً یہ حضرات ایسے لوگوں میں شامل ہیں، جن کو یہ کہنے کا حق ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس خاندان اور اس بستی کے اس علمی کارواں نے آخر میں ایک کہکشاں کی صورت اختیار کر لی تھی، جس میں کئی ایک آفتاب وماہ تاب گردش کررہے تھے۔ ان میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین نام، حضرت

(۱) استاذ الکل مولانا مملوک العلیؒ، ص: ۶۵۔

مولانا محمد مملوک العلی نانوتویؒ (ولادت: ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء، وفات: ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) کا ہے۔ جنہوں نے ہندوستان میں خاندان حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد ایک نئے علمی دبستان کی راہ نمائی وسربراہی کی۔ مسلمانوں کو عصر حاضر کی ضروریات اور دین پر ثبات واستقامت دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا ایسا متوازن سبق دیا کہ اس کے اثرات آج تک ہندوستان کے ہر ایک تعلیمی ادارے پر گویا نقش ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت ونظام کے خلاف برپا ایک بڑی جدوجہد (تحریک ۱۸۵۷ء) کے بعد سے ہمارے اس ملک میں مسلمانوں نے جو بھی تعلیمی ادارے، دارالعلوم، مدرسے اور کالج قائم کیے، وہ تمام مولانا مملوک العلیؒ کی تربیت کا اثر، ان کے عالی مرتبہ شاگردوں کی کوششوں کا ثمرہ اور یادگار ہیں۔

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے ایک اور قریبی عزیز مولانا محمد مظہر نانوتویؒ تھے، جو اس عہد کے ایک اور بہت برگزیدہ عالم اور محدث حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ مہاجر مدنی، نواسۂ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ابن حضرت شاہ ولی اللہؒ (ولادت: ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ/۱۰؍مارچ ۱۷۰۳ء، چہار شنبہ، وفات: ۲۹؍محرم الحرام ۱۱۷۶ھ/ ۱۹؍ستمبر ۱۷۶۲ء؍شنبہ) کے عزیز شاگرد اور خدمت ودرس حدیث میں اپنے دور میں بہت مشہور وممتاز تھے، اور ہندوستان کا ایک بڑا دینی ادارہ مدرسۂ مظاہر علوم سہارن پور گویا مولاناؒ کی محنتوں، محبوبیت اور وسیع حلقۂ درس کا ہی ایک مظہر ہے۔

حضرت مولانا محمد مظہرؒ کی بڑی علمی درسی خدمات ہیں۔ ان کے بڑے بڑے عالی مرتبہ شاگرد ہیں، جو ہندستان کی دینی علمی تاریخ کا فخر شمار کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا کی علمی خدمات میں سے ایک دو بڑی اہم خدمات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے ''احیاء العلوم'' امام غزالیؒ کا کئی قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے صحیح متن مرتب کیا۔ اس پر مختصر حاشیہ لکھا اور اس کو شائع کرایا۔ مولاناؒ کی ایسی ہی ایک اور بڑی خدمت ''مجمع البحار'' علامہ محمد طاہر پٹنیؒ کی تصحیح واشاعت ہے، اور مولانا محمد مظہرؒ ۱۲۳۷ھ (۲۲-۱۸۲۱ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ ''محمد مظہر'' تاریخی نام ہے۔ ۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ (۲۳؍ستمبر ۱۸۸۶ء) کو وفات ہوئی، سہارن پور میں دفن کیے گئے۔

مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

مولانا مملوک العلیؒ کے فرزند، ۱۳؍صفر ۱۲۴۹ھ (۲؍جولائی ۱۸۳۳ء) کو پیدا ہوئے، مولانا محمد یعقوبؒ بھی اسی کاروان علم وعمل کا ایک دمکتا ہوا ستارہ تھے، جو اپنے فخر اقران والد کے شاگرد، ممتاز عالم، دارالعلوم

دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ان کی صحبت سے فیض یافتہ اصحاب نوید صبح اور خوش بو کی طرح پورے ملک میں پھیل گئے اور اس برصغیر میں جگہ جگہ درس کے حلقے، مدرسے اور علم وافادہ کے مراکز قائم کر لیے، جن میں سے بہت سے اب تک بھی زندہ اور سرگرم کار ہیں۔

ولادت اور تعلیم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اسی خاندان اور ماحول میں (شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ/ فروری ۱۸۳۳ء) پیدا ہوئے، جب اس خاندان میں بڑے بڑے علما موجود تھے، اور ہر طرف علم اور تعلیم کا چرچا رہتا تھا۔حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے فارسی وعربی کی ابتدائی درسی کتابیں مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ (وفات ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء) اور مولوی محمد نواز سہارن پوریؒ سے پڑھیں۔

محرم ۱۲۶۱ھ (جنوری ۱۸۴۵ء) میں اپنے خاندان کے عالم اور دہلی کالج کے صدر مدرس مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کی سرپرستی اور نگرانی میں مزید تعلیم کے لیے دہلی پہنچے، دہلی میں کافیہ ابن حاجب سے تعلیم کا آغاز ہوا۔مولانا محمد قاسمؒ اپنی فطری لیاقت وصلاحیت کی وجہ سے تعلیم میں اپنے ہم سبق ساتھیوں اور ہم عمر طلبہ سے بھی آگے رہتے تھے۔جب کسی ساتھی یا کسی اور مدرسے کے طالب علم سے بحث وگفتگو ہوتی، تو اکثر اس مقابل (طالب علم) کو مولانا سے بحث ومباحثے کی سوجھتی، مولانا سے شرمندہ ہونا پڑتا تھا، اسی طرح تیز رفتار؛ مگر اعلیٰ درجے کی تفہیم وتعلیم اور لیاقت سے تعلیم مکمل کی۔مولانا کے استادزادے اور عزیز، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے لکھا ہے:

> ”پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی۔معقول کی مشکل کتابیں زواہد (میر زاہد کی تصانیف) قاضی (مبارک کی شرح قطبی از میر زاہد) صدرا (صدرالدین شیرازی) اور شمس بازغہ (ملا محمود جون پوری) ایسا پڑھا کرتے تھے، جیسے حافظ منزل سناتا ہے“(۱)۔

عقلی علوم، خصوصاً ہندسہ (Geometry) کو استاذ کے بغیر خود ہی دیکھ کر پڑھ لیا تھا۔فقہ، منطق وکلام اور جملہ درسی کتابوں کو مکمل کرنے اور ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنیؒ (ولادت: ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء، وفات: ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) سے حدیث شریف خصوصاً صحاح ستہ پڑھیں۔

(۱) حالات طیب، مشمولہ قاسم العلوم والخیرات، ص: ۸۰-۱۷۹۔

علمی تدریسی زندگی کا آغاز

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اس وقت کی عملی روایت کے مطابق پڑھنے کے زمانے میں ہی ابتدائی کتابیں پڑھانی شروع کردی تھیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اس دور میں علما کا عام معمول مطالعے سے اعلیٰ علمی کتابوں کے متون کی تصحیح، ان پر حاشیہ لکھنے اور ان کی عمدہ طباعت کی نگرانی کرنے کا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ بھی درس کی ذمے داریوں کے ساتھ اپنے استاذ حدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ (صحیح بخاری کے محشی اور ہندوستان کے نام ور محدث اور خادم حدیث) کے مطبع احمدی سے وابستہ ہوگئے تھے۔ اس مطبع میں مولانا نے قیمتی خدمات انجام دیں، اور اس کی حیثیت ایک بڑے مرکز علمی اور تحقیقی تصنیفی اکیڈمی کی تھی۔ مشہور ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اور علمی کاموں کے علاوہ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا احمد علی کی فرمائش پر حاشیہ صحیح بخاری کی تکمیل میں بھی کچھ حصہ لیا تھا۔

حضرت مولاناؒ نے مولانا احمد علیؒ کے مطبع احمدی کے علاوہ ہندوستان کے ایک بڑے ناشر کتب منشی ممتاز علی صاحبؒ کے مطبع مجتبائی اور پھر مطبع ہاشمی میرٹھ میں تصحیح کتب کی خدمت انجام دی اور اپنی زندگی کے آخری دنوں تک اسی کام میں مشغول رہے۔

سلوک ومعرفت

ہندوستان کے علما میں خدا طلبی کا ذوق اور سلوک ومعرفت کی چاشنی حاصل کرنے کا جو معمول اور اہتمام صدیوں سے چلا آرہا تھا، حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے اساتذہ اور رفقا کی طرح اس پر بھی پورا عمل کیا اور اس کے لیے اپنے زمانے کے ایک بڑے مرشد، معرفت وسلوک کے امام اور طریقۂ سلوک کے کامل رہنما حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی تھانویؒ کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت حاجی صاحبؒ جملہ سلاسل تصوف کے عالی مرتبہ شیخ تھے۔ حضرت مولاناؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی سرپرستی میں تصوف کے سبق لیے اور مرشد کامل کی تعلیمات وہدایات سے روشنی حاصل کرکے ایسے منور وتابناک بنے کہ شیخ امداد اللہؒ نے مولانا کو اجازت وخلافت سے نوازا، اور اپنے متوسلین کو مولانا سے استفادے کی ہدایت کی۔ پیرو مرشد (حضرت حاجی امداد اللہؒ) کی نگاہ میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ کا کیا مقام ومرتبہ تھا؟ اس کا حضرت حاجی امداد اللہؒ کی تحریروں اور مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے۔ حاجی صاحبؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کے والد ماجد شیخ اسد علی نانوتویؒ کو ایک خط میں لکھا تھا، اور اپنی ایک اہم تصنیف ''ضیاء القلوب'' میں یہاں تک لکھ دیا:

''بہ خدمت بھائی صاحب مکرم معظم جناب شیخ اسد علی صاحب سلمہٗ! بعد سلام نیاز مبارک

باد، واللہ تعالیٰ آں جناب را توفیق اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم داد، امید قوی ست کہ ہمیں عمل خیر ومسئلہ نجات جناب شود، عجب نیست، وشکر کنند کہ خدا تعالیٰ شما را یک ولی کامل عطا فرمودہ، کہ بہ برکت انفاس اوایں چنیں اعمال نیک ورضامندی اللہ ورسول بہ ظہور آمد، والا ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند''(۱)۔

''نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلّمہٗ ومولوی محمد قاسم صاحب سلّمہٗ را کہ جامع جمیع کمالات ظاہری وباطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق؛ بلکہ بہ مدارج فوق ازمن شمارند۔ اگر چہ بہ ظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من، ومن بہ مقام اوشان شدم، وصحبت اوشان را غنیمت دانند، کہ ایں چنیں کساں درایں زمان نایاب اند، واز خدمت بابرکت ایشاں فیض یاب بودہ باشند''(۲)۔

مگر اپنے تمام کمالات سلوک وتصوف میں اختصاص کے باوصف، حضرت مولانا نے خود کو چھپانے کی ہمیشہ اور آخری حد تک کوشش کی۔ حضرت مولانا نہیں چاہتے تھے کہ مولانا کے فضل وکمال اور روحانی نسبت وپرواز کا کسی کو پتہ چلے اور لوگ ان سے رجوع کریں۔ حضرت مولانا پر تواضع اور خود شکنی کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کو بیعت کرنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ چند علما اور اہل کمال بہ صد اصرار بیعت ہوئے اور انہوں نے حضرت مولانا سے امکان بھر استفادہ بھی کیا، بالآخر ایک وقت آیا کہ یہ متوسلین اس لائق ہو گئے کہ ان کو حصول نسبت کی بشارت دی جائے اور اجازت وخلافت سے نوازا جائے؛ مگر حضرت مولانا اس مرحلے پر بھی اپنی ذات کو پیچھے رکھنا اور ان متوسلین اور سالکان راہ طریقت کا ہاتھ اپنے شیخ ومرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کے ہاتھ میں ہی دے دینا چاہتے تھے، اور چاہتے تھے کہ میں خود کسی کو اجازت وخلافت نہ دوں۔ جس کے لیے بھی اس نعمت ودولت کا فیصلہ ہو، وہ حضرت پیر ومرشد کی زبان سے ہو؛ اس لیے حضرت مولانا کے جس متوسل کی سیر سلوک مکمل ہو جاتی، اس کو ہدایت فرماتے کہ وہ مکۂ مکرمہ حاضر ہو کر حضرت حاجی امداد اللہؒ کی خدمت میں اپنی کیفیت عرض کرے، اور خود حضرت کو لکھ دیتے تھے کہ میں ان صاحب کو اس لائق سمجھتا ہوں؛ مگر فیصلہ آں جناب کی صواب دید اور رائے عالی پر ہے، اگر اطمینان ہو، تو ان کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے تقریباً تمام خلفائے کرام اسی طرح کے ہیں کہ اگر چہ ان کی تربیت واصلاح باطن حضرت مولانا کے زیر دامن ہوئی؛ مگر ان کو خلافت واجازت وبیعت کا پروانہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے ملا۔

(۱) مرقوماتِ امدادیہ، ص:۹-۴۸۔

(۲) ضیاء القلوب، مشمولہ کلیات امدادیہ، ص:۶۰۔

انگریزوں کے خلاف برپا جدوجہد ۱۸۵۷ء میں شرکت

ابھی مولانا کو تعلیم سے فارغ ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ ہندوستان پر مسلط انگریزی حکومت واقتدار کے خلاف وہ جذبہ جو تقریباً پچاس برس سے عوام خواص کے دلوں میں پرورش پا رہا تھا، یک لخت شعلۂ جوالہ بن کر پھوٹ پڑا اور پورے ملک میں ۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ میں انگریزوں کی حکومت اور سیاست واقتدار کو اکھاڑ پھینکنے کے خلاف ایک پرزور جدوجہد شروع ہوگئی۔ اس موقع پر علما اور اہل باطن کے لیے دین وشریعت کی ذمے داری، مسلمانوں کی عام دینی ملی ضرورت اور وقت کے تقاضے سے غفلت ناممکن تھی؛ اس لیے اس ضمن میں ایک بڑی اور منظّم آواز حضرت مولانا کے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کے وطن تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) سے بھی اٹھی، جس میں حضرت حاجی امداد اللہؒ قائدانہ شریک تھے، اور حضرت حاجی صاحبؒ کے علاوہ حضرتؒ کے خاص خلفائے کرام اور متوسلین بھی ان کے دست وبازو بنے ہوئے تھے۔

یہ تحریک پوری منصوبہ بندی اور مستقبل کے مقاصد کو سامنے رکھ کر بلند حوصلے کے ساتھ برپا کی گئی تھی۔ اس تحریک کا اثر دہلی سے ملحق دریائے جمنا کے کنارے سے بڑھتا ہوا ہمالیہ کے دامن تک پہنچا، اور دہلی کے شمال مشرق کا تقریباً ساڑھے تین سو چار سو کلو میٹر علاقہ اس جدوجہد کا میدان بنا، جس میں ان مجاہدین نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور بہت اہم کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

یہ تحریک جو پوری طاقت اور بڑے تدبر سے چلائی اور آگے بڑھائی گئی تھی، اور کیوں کہ عوام علما کی آواز پر لبیک کہتے تھے اس لیے ہر طبقے کے لوگوں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا، اور اس کے زیر اثر مجاہدین کا انگریز افسران اور فوجوں سے ایسا پرپیچ اور کام یاب مقابلہ ہوا جس کی بعد میں خود دشمن افسران نے داد دی۔ اس فوج یا کمان کے ذمے دار کمانڈروں میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے تھانہ بھون کے قریب ایک انگریزی فوج کے ایک نسبتاً چھوٹے کیمپ اور خزانے کو اپنا نشانہ بنایا، وہاں کام یاب حملہ کیا، انگریز دستے کو شکست ہوئی اور اس پورے علاقے پر انگریزوں کا قبضہ اور اقتدار ختم کر کے مجاہدین کا پرچم لہرا دیا گیا۔ انگریز فوج کے سو سے زیادہ سپاہی اور افسر مارے گئے۔ ان کے اسلحہ خانے اور خزانے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور میدان جنگ کے ساتھ ہی یہ پورا علاقہ مجاہدین کے انتظام میں آ گیا تھا۔ اس جنگ میں حضرت حاجی امداد اللہؒ کے ایک پیر بھائی حافظ محمد ضامن تھانویؒ اور مسلمانوں کی ایک جماعت شہید ہوئی؛ مگر کچھ دنوں کے بعد انگریزوں نے تازہ دم فوج اور بڑی تیاری سے دوسرا حملہ کیا، جس میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا، یہاں تک کہ وہ تھانہ بھون کو بھی جو ان کا مرکز تھا چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اس تمام معرکہ آرائی میں شروع سے آخر تک حضرت مولانا محمد قاسمؒ بھی برابر شریک رہے۔ جنگ کے دوران حضرت

مولاناؒ کی ناک پر گولی لگی تھی، آخر عمر تک اس کا نشان موجود تھا۔

۱۸۵۷ء کی یہ جدوجہد اور تحریک ایک بڑی انقلابی اور نہایت دور رس تحریک تھی، جس نے اس وقت کے ہندوستان کے مزاج خصوصاً ہندی ملت اسلامیہ کو اس شدت، قوت اور گہرائی سے متاثر کیا کہ اب تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ ہند و پاکستان و بنگلہ دیش کی ہر ایک دینی، علمی، سیاسی جدوجہد میں خصوصاً مسلمان اور دینی طبقہ ۱۸۵۷ء کی تحریک اور اس کے راہ نماؤں کے طریقۂ کار، تعلیمات اور اصولوں سے روشنی لے کر چلتے اور آگے بڑھتے ہیں، اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اور اس کے بعد سے آج تک مسلم سیاست اسی محور پر رقص کرتی رہی ہے۔

دارالعلوم اور مدارس اسلامیہ کا قیام

اور ہندی ملت اسلامیہ کے دینی، علمی مستقبل کی تعمیر و تشکیل

۱۸۵۷ء کی تحریک پسپا ہونے کے نتیجے میں انگریزوں کا دوبارہ تسلط قائم ہوگیا تھا، جو ان کی پہلی حکومت سے بہت زیادہ جابرانہ قاہرانہ تھا۔ اس کا ایک بہت بڑا اثر یہ ہوا تھا کہ اس تحریک میں شرکت کی سزا اور الزام میں لاکھوں علما اور اہل کمال پھانسیوں پر لٹکائے گئے، ہزاروں جلا وطن ہوئے، بے شمار لوگوں کو مختلف سزائیں دی گئیں اور ہزاروں حالات کی سختیوں سے مجبور ہوکر ہندوستان سے حرمین شریفین ہجرت کر گئے تھے، جس کی وجہ سے اکثر خانقاہیں برباد، مسجدیں ویران اور مدرسے بے نام و نشان ہوگئے تھے۔ حالات ایسے سخت اور ناقابل بیان تھے کہ کہنا مشکل ہے، نہ کسی کو زبان کھولنے کی اجازت تھی نہ آہ و فغاں کرنے کی۔ چوں کہ علمائے کرام اور دینی طبقے نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف معرکہ آرائی میں بڑا اور سرگرم حصہ لیا تھا؛ اس لیے اس تحریک کے ناکام ہونے کے بعد انگریزوں کے مظالم اور سزاؤں کا نشانہ بھی یہی بنے؛ لیکن حالات کی پکڑ کیسی ہی سخت کیوں نہ ہو، ملت کو بہر صورت اپنا راستہ خود متعین کرنا اور چلنے کے لیے ایک طریقہ اور شاہ راہ عمل مقرر کرنی ضروری تھی۔ علمائے کرام سوچتے تھے کہ ملت ایک ایسے حادثے کا شکار ہوئی ہے کہ اگر فوراً اس کا بڑا، دیرپا مضبوط علاج اور مستقبل کی اکثر ضرورتوں میں راہ نمائی کرنے والی تدبیر اور طریقۂ کار وضع نہ کیا گیا، تو اس ملک؛ بلکہ پورے برصغیر میں مسلمانوں کا اور دینی اقدار و معاملات کا باقی رہنا مشکل ہوجائے گا۔ ان مشکل حالات میں جب کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ملت ہندیہ کے لیے ایک ایسا نسخۂ صحت تجویز کیا، جس نے زخم خوردہ؛ بلکہ نیم جاں ملت اسلامیہ کو بڑی حد تک شفا بخشی اور اس کے زخموں سے

چور چور جسم میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔

یہ کام دیوبند میں ایک ایسے بڑے کثیر المقاصد اور خود کفالت پر مبنی مدرسے (دارالعلوم) کا آغاز تھا، جس نے اس ملک میں رہنے بسنے والے تمام مسلمانوں میں امید کی ایک شمع روشن کردی تھی۔ عام مسلمانوں نے دیوبند سے اٹھنے والی اس آواز، اس تحریک، اس جدوجہد کی بھرپور آبیاری کی اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ اوران کے عالی مرتبت رفقا کے منصوبوں کو پورے حوصلے، جذبے اور اخلاص و دردمندی کے ساتھ آگے بڑھایا اور پروان چڑھایا۔ یہاں تک کہ وہ ایسا گھنا اور بافیض سایہ بن گیا کہ اب ہندو پاکستان کے مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ پوری دنیا میں امت مسلمہ کا ایک حصہ اسی کے زیرسایہ اتباعِ شریعت وسنت، تعلیم قرآن و حدیث اور پیرویٔ دین کا سفر طے کررہا ہے، اور یہ بات بلاتکلف کہی جاسکتی ہے کہ عصر حاضر میں کم سے کم ہند وپاکستان اور بنگلہ دیش میں کوئی بڑا دینی علمی ادارہ اور فکر صحیح اور عمل قرآن وسنت کا مرکز ایسا نہیں ہے، جس کا رشتہ دارالعلوم سے جڑا ہوا نہ ہو۔

اس مدرسے اور دارالعلوم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینی خدمت اور ایسے افراد وعلما تیار کرنا تھا، جو آگے چل کر ملت کی زمام سنبھالیں اور ہندوستان کے سیاسی حالات میں اس کی ڈوبتی کشتی کو طوفان سے سلامت نکال کر دریا کے کنارے پر لانے کی جدوجہد کے لیے اپنی زندگی اور دوسرے تمام مقاصد فنا کردیں، اور قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولا ہوا سبق پوری ملت اسلامیہ کے کانوں اور دل میں پوری طرح اتار دیں۔

اس مدرسۂ دیوبند (دارالعلوم) کا ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ/ (۳۰/مئی ۱۸۶۶ء/جمعرات) کو بے سروسامانی کی حالت میں آغاز ہوا تھا۔ افتتاح کے وقت اس میں صرف ایک استاذ تھے، اوران کے سامنے بیٹھنے والے دوتین طالب علم تھے۔ مدرسے کی کوئی عمارت تھی، نہ کچھ اور سامان۔ دیوبند کی ایک کئی سوسال پرانی مسجد (چھتہ) کے صحن میں موجود انار کے ایک درخت کے نیچے اس کی ابتدا ہوئی تھی؛ مگر حق تعالیٰ شانہ کو اس مکتب و مدرسے کے بانیوں کا اخلاص، ان کی حسن نیت اور سادگی کا عمل کچھ ایسا پسند آیا کہ یہی چھوٹا سا مکتب اور مدرسہ آگے بڑھ کر ایک بڑا دارالعلوم، ایک ممتاز عالمی درس گاہ، ایک بہت بڑی بہت کثیر المقاصد، بہت ہمہ جہت اور بہت دوراندیش تحریک ثابت ہوئی۔ اس مدرسے کے قیام نے برصغیر (ہندوپاکستان، بنگلہ دیش) کے دینی ماحول میں امیدوں کے چراغ روشن کردیے، اور پوری ملت اسلامیہ کو ایک واضح طریقۂ عمل اور ایسی شاہ راہ مستقیم عنایت کردی کہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی باشعور اور دین دار اکثریت اس کے سائے میں سفر کررہی ہے۔

دیوبند کے مدرسے کے قیام اور دینی تعلیم جاری ہونے اور اس کے باقاعدہ عمدہ انتظام کی اس قدر

پذیرائی، تحسین اور پرجوش تعاون ہوا کہ مدرسۂ دیوبند کے بلند مرتبہ راہ نماؤں میں سب سے ممتاز شخصیت حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف مقامات پر اسی قسم کے پانچ مدرسے اور قائم کیے۔ ان سے بھی اس طرح علم اور دین پر عمل کا چرچا شروع ہوا، اور ان میں ہر ایک مدرسے نے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد، طریقۂ تعلیم اور دینی عقیدہ ونظریات کو اپنا راہ نما قرار دیا، اور پھر یہ مدرسے بھی بڑھتے بڑھتے گھنے درخت بن گئے اور اب ان مدرسوں کے تعلیم وتربیت یافتہ لاکھوں افراد، خصوصاً ہندوستان اور عموماً دنیا کے گوشے گوشے میں دینی، اصلاحی، تبلیغی، ملی خدمات پورے اطمینان اور توجہ سے انجام دے رہے ہیں۔

دارالعلوم صرف ایک مدرسہ ہی نہیں؛ بلکہ علمی وعملی تحریک بھی تھی

دارالعلوم دیوبند جس کی ابتدا مسلمانوں کو دین وشریعت سے جوڑنے اور علوم نبوی کے احیا کے لیے ہوئی تھی، بعد میں ایک بڑی، بہت بافیض، بہت طاقتور اور کثیر الجہت تحریک بن گئی تھی۔ جس نے اس برصغیر میں مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ دینی فکر و مزاج، اتباع شریعت وسنت، علوم اسلامیہ کی خدمت و آب یاری، وعظ وارشاد، اصلاح وتربیت، تذکیر وتصنیف، حکومت وسیاست، اختلاف نظریات و عقائد، کلام ومعقولات، یعنی برصغیر کی ملت اسلامیہ کی عمومی زندگی اور شعور کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تحریک نے متاثر نہ کیا ہو، اور آج جب دارالعلوم کو قائم ہوئے تقریباً ڈیڑھ سو سال ہو چکے ہیں، دارالعلوم کی آواز، اس کا پیغام اور اس کے نظریات وتعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکے ہیں۔ دنیا کا شاید کوئی ملک اور خطہ ایسا نہیں ہے، جہاں دارالعلوم دیوبند سے استفادہ کرنے والے، وہاں کے فارغ طلبہ، علما اور دارالعلوم سے وابستہ ارباب فضل وکمال نہ پہنچے ہوں، اور اس خطے کی دینی، علمی، اصلاحی فضاؤں پر اپنے گہرے نقوش نہ ثبت کیے ہوں۔

دارالعلوم اب ایک ادارہ نہیں، ایک عالم گیر دعوت ہے، ایک تحریک ہے، ایک جدوجہد ہے، ایک نصب العین ہے، جس کے ساتھ مقاصد ومستقبل کی تعمیر کا ایک بامعنی خوب تجربہ کیا ہوا، اور ایسا طریقۂ عمل ہے کہ اس کی ایسی جامع، مؤثر، دیرپا اور عالم گیر اثرانداز مثال تلاش کر لینا آسان نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم کی اس آفاقیت، ہمہ گیریت، مقاصد کے تنوع اور بلند نگہی اور تاثیر ونفع میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا بہت بڑا اور خاص حصہ ہے۔ اگر مدرسۂ دیوبند کو اول دن سے حضرت مولانا کی سرپرستی اور رفاقت حاصل نہ ہوتی، تو ممکن تھا کہ یہ بہت اچھا مدرسہ بن جاتا؛ مگر اس کا ملت اسلامیہ کا ''حصن حصین'' اور ہر طرح کے مصائب ومسائل میں ملت کی پناہ گاہ اور امیدوں کا مرکز بننا مشکل تھا۔

دیگر دینی خدمات

حضرت مولانا محمد قاسمؒ دینی ملی معاملات میں اعلیٰ درجے کے صاحبِ فکر، حساس اور دردمند عالم تھے۔ حضرت مولاناؒ کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی اہم دینی ملی معاملہ سامنے آئے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ درس و تعلیم کی مسند ہو، خانقاہ وارشاد کی تعلیمات ہوں، وعظ واصلاح کا میدان ہو، تصنیف وتالیف کی جلوہ فرمائی ہو، مناظرہ ومباحثہ کی ضرورت ہو، یا دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کے اسلام وشریعت پر سوالات واعتراضات کا جواب، حضرت مولاناؒ ہر ایک میں نمایاں اور پیش پیش رہتے تھے۔ جہاں جس طرح کی ضرورت ہو، اس کا بروقت احساس اور اس کا ویسا ہی علاج اور دفاع فرماتے تھے، جیسی ضرورت وتقاضہ ہو۔ مسلمانوں کے وہ طبقات ہوں، جو عقائد وکلام کے معاملات میں راہ سے بے راہ ہو گئے تھے، یا بدعات و رسوم کے خوگر افراد ہوں، اہل تشیع یا کوئی اور! دینی معاملہ، عقیدۂ سلف واہل سنت سے انحراف کی بات ہو، یا دین وشریعت کے مسائل ومباحث اور عقائد کے کلام کی گفتگو ان کو قرآن وسنت سے حل کرنے اور ان کی عقلی توجیہ کی ضرورت، حضرت مولاناؒ کا ہر ایک میں سرگرم اور بڑا حصہ رہتا تھا۔

اس دور میں خصوصاً عیسائیوں اور ہندوؤں کی ایک نوزائیدہ جماعت ''آریہ سماج'' نے خصوصاً اسلام کے خلاف ایک پرزور محاذ کھولا ہوا تھا، ان کے پادری اور پنڈت جگہ جگہ عیسائیت اور ہندو مذہب کی منادی کرتے، مسلمان علما کو مناظرے کا چیلنج دیتے اور عیسائیت واسلام کے مسائل وموضوعات پر بحث و گفتگو کے لیے چھیڑتے تھے۔ حضرت مولاناؒ ان کا مقابلہ کرنے، جواب دینے اور ان کے اعتراضات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ جہاں علی الاعلان بحث ومقابلے کی بات ہوتی، وہاں اس کا اہتمام کرتے۔ جہاں لکھنے اور گلی کوچوں میں اطلاعات کا کام ہوتا، وہاں اس کا انتظام فرماتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کے عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں سے کئی نہایت کامیاب مناظرے بھی ہوئے، جس میں عیسائیوں سے ''مباحثۂ شاہ جہان پور'' اور مشہور ہندو سماجی مصلح اور مذہبی پیشوا سوامی دیانند سرسوتی سے گفتگو اور جوابات کی ملک بھر میں شہرت ہوئی، بعد میں حضرت مولاناؒ نے ان مباحث میں پیش آنے والے، سوالات پر کتابی صورت میں لکھا، ان میں سے ہر ایک تصنیف اپنی جگہ جوئے رواں اور علم وبصیرت کا شاہ کار ہے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی کتابوں میں قرآن مجید، حدیث، سنت وشریعت کی جو گرہ کشائی فرمائی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرتؒ کا ایک منفرد حصہ ہے۔ خصوصاً شریعت اور عقائد واعمال کی حکمتوں اور اسرار و حکم پر حضرت مولاناؒ کے افادات وتحریرات ایک نئے اور مستقل علم کلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ضرورت

ہے کہ ان سب کا جامع مطالعہ کر کے ایک لڑی میں پروگرامت کے سامنے پیش کیا جائے۔اس سے نہ صرف ہمارے عقلی کلامی ذخیرے میں ایک وقیع اضافہ ہوگا؛ بلکہ اس کی اساس پر اور بھی کئی مشکل مباحث حل کیے جاسکیں گے۔

حضرت مولانا کی تصانیف اور مکتوبات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، حضرت مولانا کے علوم اور تحقیقات وتحریرات کا دائرہ خاصا وسیع اور مختلف موضوعات ومضامین پر مشتمل ہے۔اگر چہ حضرت مولاناؒ کی تصانیف شمار میں بہت زیادہ نہیں ہیں؛ مگر جس قدر بھی ہیں، ان میں سے ہر ایک دریا بہ کوزہ کی عمدہ مثال ہے۔یہ کتابیں زیادہ تر اردو میں ہیں؛ لیکن چند فارسی میں بھی ہیں۔یہاں ان کے مفصل تعارف کا موقع نہیں؛ لیکن ان کے نام اور موضوعات کا مختصر تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔تصانیف یہ ہیں:

(۱) قرآن مجید اور علوم القرآن

۱-تصحیح قرآن شریف (برائے طباعت) مطبع مجتبائی میرٹھ،۱۲۸۱ھ/ ۶۵-۱۸۶۴ء۔۲-تصحیح حمائل شریف مع موضح قرآن، مطبع مجتبائی میرٹھ۔۳-اسرار قرآنی، گلزار احمدی مراد آباد،۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء۔

(۲) حدیث اور متعلقات

۴-بخاری شریف، شرکت در تصحیح وحواشی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ، مطبع سید الاخبار، دہلی ومطبع احمدی دہلی،۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء،۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء۔۵-رسالۂ تقریر حدیث: **فضل العالم کفضلی علی ادناکم**

(۳) فقہ واسرار شریعت

۶-احکام الجمعہ، رام پریس میرٹھ،۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء۔۷-اسرار الطہارۃ، مطبع قاسمی دیوبند۔

(۴) عقائد وکلام

۸-تحذیر الناس، مطبع صدیقی بریلی، تقریباً ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء۔ ۹-حجۃ الاسلام، مطبع احمدی علی گڑھ،۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء۔۱۰-گفتگوئے مذہبی، مطبع ضیائی میرٹھ،۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء۔۱۱-مناظرۂ عجیبہ، گلزار ابراہیم مراد آباد۔

(۵) غیر مقلدین کے نظریات و دلائل کی تردید

۱۲-الأجوبة الكاملة في الاسولة الخاملة، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء۔ ۱۳-الدليل المحكم على قراءة الفاتحة للمؤتم، گلزار احمدی مراد آباد، ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء۔ ۱۴-توثيق الكلام فی الانصات خلف الامام، مطبع ہاشمی میرٹھ، ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء۔ ۱۵-حق الصريح فی اثبات التراويح، مطبع عین الاخبار مراد آباد۔ ۱۶-مصباح التراويح، مطبع ضیائی میرٹھ، ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء۔

(۶) شیعیت کے جواب میں

۱۷-اجوبۂ اربعین، مطبع ضیائی میرٹھ، ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء۔ ۱۸-ہدیۃ الشیعہ، مطبع ہاشمی میرٹھ، ۱۲۸۴ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء۔ ۱۹-انتباہ المؤمنین، مطبع احمدی میرٹھ، ۱۲۸۴ھ/ ۸-۱۸۶۷ء۔

(۷) عیسائیت کی حقیقت

۲۰-تقریر دل پذیر، مطبع احمد دہلی، ۱۲۹۹ھ/ ۱۲۲۳ء۔ ۲۱-مباحثۂ شاں جہان پور، مطبع احمد دہلی، ۱۲۹۹/ ھ۱۸۸۲ء،

(۸) ہندوؤں کے اسلام پر اعتراضات کا جواب

۲۲-آب حیات، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء۔ ۲۳-انتصار الاسلام، اکمل المطابع دہلی، ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء۔ ۲۴-تحفۂ لحمیہ، مطبع صدیقی بریلی۔ ۲۵-جواب ترکی بہ ترکی، مطبع ہاشمی میرٹھ، ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء۔ ۲۶-قبلہ نما، اکمل المطابع دہلی، ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء۔

(۹) شعر وادب

۲۷-قصائد قاسمی، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۰۹ھ/ ۹۲-۱۸۹۱ء۔

(۱۰) فلسفہ

۲۸-تقریر ابطال جز ولا یتجزی، مطبع مجتبائی دہلی۔

(۱۱) عقلیت پسندوں کا جواب

۲۹-تصفیہ العقائد، مطبع ضیائی، ہاشمی میرٹھ، ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء۔

(۱۲) مکتوبات

۳۰-قاسم العلوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء۔ ۳۱-لطایف قاسمیہ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ھ۔ ۳۲- جمال قاسمی، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۰۹ھ/ ۹۲-۱۸۹۱ء۔ ۳۳-فرائد قاسمیہ، ادارۂ ادبیات دہلی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔ ۳۴- فیوض قاسمیہ، مطبع ہاشمی میرٹھ، ۱۳۰۴ھ/ ۸۷-۱۸۸۶ء۔

خلافت اسلامیہ ترکی اور خلیفۃ المسلمین سے گہرا تعلق

خلیفۃ المسلمین اور باب عالی ترکی سے ہندوستانی مسلمانوں کے عوام وخواص کی مغل دور حکومت سے گہری وابستگی اور خلافت اسلامیہ سے اپنی نیاز مندی کا اظہار ہندوستانی مسلمانوں کے احوال وتاریخ سے واقف اصحاب پر مخفی نہیں۔ باب عالی نے بھی ہندوستان کے جلیل القدر علما کی قدردانی اور عزت افزائی میں کمی نہیں کی، خصوصاً آخری دور میں جب عالم اسلام پر مغرب کی یلغار ہوئی اور مغربی طاقتوں نے ترکی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو نقصان پہنچانے اور اس کی سرحدوں میں مداخلت شروع کی اس وقت ہندی مسلمانوں پر عجیب اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ وہ کسی بھی طرح سلطان ترکی کی مدد کرنا چاہتے تھے اور خلافت اسلامیہ کو درپیش خطرات اور فوجوں سے مقابلے کے لیے اپنی ہر طرح کی جانی مالی قربانی پیش کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ایسے موقعے کئی مرتبہ پیش آئے، ہر مرتبہ مسلمانوں کا اجتماعی تأثر اور ردعمل یہی ہوا۔

ایسا ہی ایک نازک موقع اس وقت سامنے آگیا تھا، جب ۱۸۷۴ء/ (۱۲۹۴ھ) میں روس نے ترکی پر حملہ شروع کردیا تھا اور بلقان کے علاقے میں پُرزور جنگ شروع ہوگئی تھی، اور خلافت عثمانیہ کے کئی علاقے اس کے قبضے سے نکل کر روس کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔

بلقان کی جنگ روس کی ترکی کے ساتھ اپنے معاہدوں کی صاف خلاف ورزی کرکے ترکی کے علاقوں پر حملہ اور فوج کشی سے شروع ہوئی تھی۔

روس کی حکومت سے خلافت ترکی کا مارچ ۱۸۵۶ء/ (رجب ۱۲۷۲ھ) میں پیرس میں معاہدۂ امن ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے حکومت ترکی روس کی طرف سے کسی لڑائی سے مطمئن تھی؛ مگر روس کی حکومت نے کھلی معاہدہ شکنی کی اور ۱۸۷۴ء/ (۱۲۹۱ھ) میں خلافت عثمانیہ کی ریاستوں پر اچانک حملہ کردیا۔ چوں کہ حکومت ترکی اپنے معاہدے کی وجہ سے روس کی طرف سے مطمئن تھی اور یہ حملہ نہایت بے خبری میں ہوا تھا؛ اس لیے ترکی حکومت کا نقصان ہوا، اور اس کے کئی علاقے ایک کے بعد ایک اس کے ہاتھ سے نکلتے چلے گئے۔

یہ حادثہ اور نقصانات ایسے نہیں تھے کہ ہندوستانی مسلمان اس سے بے خبر رہتے اور متاثر نہ ہوتے،

جیسے ہی یہ خبر ہندوستان پہنچی، تمام مسلمان اور خصوصاً علمائے کرام، وہ علما جو ملی درد رکھتے تھے، خصوصاً مدرسۂ دیوبند کے بانیان کرام اور علما پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ ان حضرات نے حکومت ترکی کے تعاون کے لیے کئی منصوبے بنائے، جس میں سب سے پہلے مالی تعاون کی فکر تھی۔ اس کے لیے حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے کوشش فرمائی، لشکر عثمانی کے زخمیوں کے لیے ''چار ہزار روپے'' چندہ کر کے روانہ کیے۔ یہ رقم کئی قسطوں میں بمبئی میں مقیم دولت عثمانیہ کے قونصلر جنرل (Counsellor General) حسین حسیب آفندی صاحب کو بھجوائی گئی۔ قونصلر جنرل صاحب نے اس کی رسید بھجوائی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور علمائے کرام کو شکریے کا مفصل خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے:

''جناب فضل مآب حاجی محمد عابد صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد قاسم، مولوی محمد رفیع الدین صاحب۔ مہتممانِ مدرسۂ عربی دیوبند سلّمہ اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون الاسلام! موضوح باد کہ مکتوب بہجت اسلوب آں حضرات مع مبلغ ایک ہزار دوصد روپیہ نوٹ بنگالی، کہ بہ مراد ارسال آں بہ باب عالی برائے مجروحین وایتام دار اہل عساکرہ منصورہ صرف شود، مرسول بود، موصول گردید۔

حقیقتاً مساعی جمیلہ آں حضرات کہ بہ مقتضائے حمیت دینیہ بہ ظہور آمدہ، مستحق ممنونیت مشکوریت ہست، و بہ حول اللہ تعالیٰ مبلغ مذکور حسب خواہش بہ باب عالی تبلیغ می کنم، و رسیدی کہ از آں جامی رسد، در عقب موصول آں حضرات خواہد شد و در جوائب ہم نشر خواہد گردید۔ و ہم چنیں ہر مبلغے کہ حسب تحریر ایشاں رسیدہ باشد، ان شاء اللہ تعالیٰ! مع الافتخار در تبلیغ آں دریغ نہ خواہد وداد۔ زیادہ! والسلام

مورخہ ۱۰؍ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ (۲۵؍ جنوری ۱۸۷۷ء)

حسین حسیب

سرشہ بندر، دولت عثمانیہ علیہ۔ در بمبئی''

حسین حسیب آفندی کو دوسری مرتبہ رقم پہونچی، تو انھوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا:

''جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد رفیع الدین صاحب و محمد عابد صاحب، مہتممان مدرسۂ عربی دیوبند، سلمہم اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون الاسلام! مشہود باد کہ مبلغ دوصد ر پیہ بابت اعانت عساکر، قسط دوم کہ ارسال فرمودند، موصول گردید، و روانہ کردہ شد، خاطر شریف جمع دارند۔ و آں چہ از اظہار مہربانی ہا کہ بہ نسبت من فرمودہ اند، گویا بہ لسان حال من اظہار بزرگی و شرف خود فرمودہ اند، ایزد تعالیٰ

توفیق خیر مزید گرداند۔

والسلام

سرشہ بندر، دولت علیہ عثمانیہ، در بمبئی

۱۶/صفر الخیر ۱۲۹۴ھ (۲/مارچ ۱۸۷۷ء)''

اس کے بعد حضرت مولانا موقع بہ موقع رقومات اکٹھی کرکے بمبئی عثمانی قونصل خانے بھیجتے رہے اور وہاں سے رسیدیں اور شکریے کے خطوط موصول ہوتے رہے، اس طرح کے کئی اور خطوط بھی معلوم ہیں، مثلاً:

مکتوب: ۱۵/جمادی الاول ۱۲۹۴ھ/۱۴/مئی ۱۸۷۷ء۔

مکتوب: یکم جمادی الاخری ۱۲۹۴ھ/۱۳/جون ۱۸۷۷ء۔

مکتوب: یکم جمادی الاخری ۱۲۹۴ھ/۱۳/جون ۱۸۷۷ء (مکرر)

مکتوب: ۲/رجب ۱۲۹۴ھ/۱۳/جولائی ۱۸۷۷ء۔

مکتوب: ۳/رجب ۱۲۹۴ھ/۱۴/جولائی ۱۸۷۷ء۔

ان رقومات کے ملنے کی باب عالی سے بھی اطاعات آئیں۔ آخر میں خلافت عثمانیہ کے وزیر اعظم ابراہیم ادہم کا ذاتی خط موصول ہوا، جس میں حضرت مولانا، ان کے رفقا اور معاونین و چندہ دینے والوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا خط یہاں نقل کر دیا جائے۔

وزیر اعظم خلافت عثمانیہ کا شکریے کا خط

واضح ہو کہ دفتر خاص باب عالی، شہنشاہ ظل الٰہی، سلطان دوم، خلد اللہ ملکہ سے بھی رسیدات آئیں، چوں کہ وہ زبان ترکی میں ہیں، ان کا تلفظ اور تفہم دشوار ہے؛ اس لیے انہیں نقل نہیں کیا؛ مگر شکریہ وزیر اعظم سلطنت روم باب عالی سے بہ عبارت فارسی عز ورود دلایا اور باعث افتخار ہندوستان ہے۔ نقل کرتے ہیں:

''شکریہ از جانب دستور معظم، صدر اعظم، جناب ابراہیم ادہم صاحب بہادر، لازوال ظل کرمہٗ

جناب مدرسانِ مدرسۂ دیوبند، ضلع سہارن پور، فضیلت مآبان صاحب!

اعانت نقدیہ بہ جہت اولاد و عیال عساکر شاہانہ، کہ در جنگ سربستان شربت شہادت نوشیدہ بودند، پیش ازیں فراہم آوردہ ارسال فرمودہ بودید، بہ تمامی واصل گردید۔ برائے توزیع آں باب استحقاق بہ انجمن مخصوص تسلیم نمودہ شد، و ازیں ہمت فتوت مندانہ کہ مجرد از غیرت دینیہ وحمیت اسلامیہ شابہ وقوع آمدہ است، ہمہ وکلائے دولت علیہ عثمانیہ فرحناک گشتہ، وعلی الخصوص

بہ درجۂ کمال ہادی خوش نودیت ایں مخلص بے ریا گردیدہ است۔

مبلغ مرسول علاوہ برآں کہ بہ اضطراب محتاجین تخفیفے بہم رسانیدہ، کسانے کہ از ایں اعانت حصہ دارشدند بہ ملاحظہ آں کہ درممالک بعید و ہندوستان برادران دینی ہستند کہ برحال پرملال بہ چشم تاسف نگاہ می کنند، و برزخم ہائے کہ از دشمنان دیں خوردہ ایم، مرہم تسلیت می نہند، اظہار مزید شکرانیت کردند و اشک رقت ریختہ حصہ خودشاں را گرفتند، بنا بریں از جناب رب مستعان کہ نصیر و ظہیر یگانہ گویان است، التماس آں دارم کہ سعی جمیل شما عنداللہ مشکور گشتہ، در دنیا و عقبیٰ مظہر اجر جزیل باشید۔ والسلام

۹/جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ (۲۲/جون ۱۸۷۷ء)

عن دار الخلافۃ العلیہ العثمانیہ

وزیر اعظم ابراہیم ادہم

حضرت مولانا قاسمؒ اور ان کے رفیق علما نے اس وقت وزیر اعظم حکومت عثمانیہ (ابراہیم ادہم) کے خط کا جو مفصل جواب لکھا تھا اور اظہار ممنونیت کیا تھا، اس کی سطر سطر سے علمائے ہند خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور ان کے ہم نوا علما کی عثمانی حکومت اور خلافت اسلامیہ سے گہری محبت و انسیت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ خط مفصل ہے؛ اس لیے یہاں اس کا ایک اقتباس پیش ہے، اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور ہندوستان کے عام مسلمانوں کی نگاہوں میں خلافت اسلامیہ کا کیا بلند مرتبہ ہے اور وہ اس سے کس قدر گہری وابستگی رکھتے تھے۔ حضرت مولاناؒ نے لکھا تھا:

''روز جمعہ پانزدہم رجب ۱۲۹۴ر ہجری علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام، فرمان والاشان کہ ہم چو نامۂ اعمال اصحاب الیمن، تسلی بخش دل ہائے اندوہ گیں بود، نزول اجلال بہ سرو چشم ذلیلان پراگندہ حال فرمودہ۔ ذرہائے بے مقدار را از خاک ذلت بہ آسمان عزت رسانید و خاک نشینان تیرہ بخت رارشک خورشید جہاں تاب گردانید۔ شکر ایں منت علیا از زبان از کجا آریم کہ اول متاع قلیل ہماں، یگان ذلیل را زیر نگاہ قبول جاداند، و سپاس ایں عنایت عظمیٰ چہ گونہ گزاریم، کہ باز بہ ارسال فرمان جلی المتضمن قبول آں مایہ قلیل، افتادگان خاک ذلت را بر چرخ نشاندند:

زقدر وشوکت سلطان نگشت چیزے کم
کلاہ گوشۂ دہقان بہ آسمان رسید

(مسرت) عید بہ ایں روز مبارک نرسد، کہ طراز رشک ہلال نور افزائی دل و دیدہ ہندیاں خوار گردید، و بخت ہمایوں بہ ایں طالع نکو پہلو نزند، کہ ہمارے اوجِ سعادت بال بسر بے سروسامان زار و نزار کشید:

در ہر ذرہ آفتاب آمد ۞ بحر در خانہ حباب آمد
گرد بودیم رشک نور شدیم ۞ بر در قرب زرہ دور شدیم؟
قطرۂ زار شد در نایاب ۞ ذرہ خوار شد خور و مہتاب

افسوس نہ خزانہ قارون است کہ بریں سرفراز نامہ نثار سازیم ونہ بخت ہمایوں است تا بہ مدِ دش بجائے جان درسینہ نہیم، واز جان پردازیم۔ از بے خبری قطرہ بہ دریا سپردیم؛ مگر زہے عنایت کہ ہم چو دریا باغوشش کشیدند، واز بے عقلی ذرہ پیش آفتاب بہ رویم؛ مگر زہے کرم کہ بہ نور نظر عنایت رشک ماہ وکواکب گردانیدند‘‘۔

جنگ بلقان کے لیے حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقا کا سفر حجاز

حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور ان کے اصحاب کو خلافت عثمانیہ سے جو وابستگی تھی، اس کا حق اور تقاضا تھا کہ خلافت سے وابستگی اور دینی وملی درد رکھنے والے اصحاب چندہ مالی اور تعاون سے آگے بڑھ کر کوئی اقدام کریں۔ علمائے دیوبند اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ اس میں بھی پیچھے نہیں رہے۔ جب جنگ کی خبریں کثرت سے آتی رہیں، تو ان حضرات نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں خود جا کر دیکھنا ہے، اور اگر ضرورت ہو، تو جہاد میں عثمانیہ لشکر کے ساتھ شریک ہونا ہے۔

اس مقصد کے لیے سب سے پہلے سفر حج (حجاز) کا ارادہ کیا گیا، اس کارواں میں جو اس مقصد کے لیے تیار ہوا تھا، علمائے کبار کی ایک بڑی جماعت شامل تھی، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفیق ومعاون حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی شریک تھے۔ اس سفر کا پورے ملک میں چرچا ہو گیا تھا، اور عام طور پر یہی سمجھا جا رہا تھا کہ یہ حضرات سفر حج کے پردے میں بلقان کی جنگ میں شرکت اور سلطان ترکی کی مدد کے لیے جا رہے ہیں۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے لکھا ہے:

’’عام اہل اسلام نے جب دیکھا کہ دفعتاً خلاصۂ ہندوستان بہ جانب حجاز جا رہا ہے، (اس لیے) جس سے بھی ہو سکا، وہ معیت وہم رکابی کے لیے تیار ہو گیا؛ اس لیے کہ بہ طور خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ حضرات دینی معاونت کے لیے بہ حیلۂ سفر حجاز حقیقت میں ملک روم کا سفر کر رہے ہیں۔ ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہو کر مجاہد فی سبیل اللہ بنیں گے، اور جس کے نصیب میں مقدر ہے جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کرے گا‘‘(۱)۔

حضرت مولانا محمد قاسم کے ایک بڑے شاگرد اور علمی وعملی جانشین شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد

(۱) تذکرۃ الرشید، طبع اوّل۔

اورسوانح نگار مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ نے بھی تقریباً یہی ظاہر کیا ہے:

’’۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں بھی جب علمائے ہندوستان کا مشہور قافلہ جنگ روم و روس کے زمانے میں روانہ ہوا تو لوگوں نے خود بہ خود ایسی ہی توجیہات شروع کردی تھیں‘‘(۱)۔

ابھی یہ حضرات مکۂ مکرمہ میں تھے کہ پلونا پر روس کے قبضے کی خبر پہنچی، جس سے سب کو بہت افسوس ہوا؛ مگر مکۂ مکرمہ میں اخبارات کا سلسلہ بند تھا، اس خبر کی تصدیق باقی تھی؛ اس لیے حضرت حاجی امداد اللہؒ کی ہدایت و مشورے کے مطابق مجبوراً واپسی کا ارادہ کرلیا۔ بہ ظاہر ان حضرات کے سفر کی صورت نہیں ہوئی، اگر ہوتی تو یہ حضرات مکۂ مکرمہ سے ترکی جاتے اور وہاں سے محاذ جنگ (بلقان) پہنچنے کی کوشش فرماتے۔

سلطان عبدالحمید خاں کی شان میں قصیدہ

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی خلافت عثمانیہ سے محبت و ارادت مندی کا ایک بڑا مظہر حضرت مولاناؒ کا ایک قصیدہ ہے، جو اس وقت لکھا گیا تھا، جب بلقان کی جنگ ہو رہی تھی، اور یہ سب علما ترک حکومت کے لیے مالی تعاون اور رقوم کی فراہمی میں دل و جان سے مشغول تھے۔

یہ قصیدہ حضرت مولاناؒ اور ہندی مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ سے وابستگی کی ایک علامت اور ایک بڑا خراج تحسین اور اظہار نیاز مندی بھی ہے۔ کہنا چاہیے کہ حضرت مولاناؒ کے الفاظ میں پوری قوم کے جذبات جھلک رہے ہیں، ملاحظہ ہو:

قصيدة الإمام محمد قاسم النانوتويؒ
في مديح السلطان عبدالحميد خاں

نفسي وما بيدي فدى لجمالكم — إن متُّ دونكم فمَن لدلالكم
أنسيتم أيام حسن خصالكم — أيام كان حياتنا بوصالكم
إذا أنت دون النفس و هي بعيدة — متنا مرارًا بالسرور هنالكم
أيام تغنون العيون من الذُّكا — وتراودن الطرف مذ إظلالكم
شوقي يسوق إليكم ثم يعوقني — عذل العواذل واحتمالُ ملامكم
ما في غير الاسم إلا أنني — لأسير سير الظل خلف جمالكم
صرنا كآثار الخطى أو دوننا — أفما بلغنا منتهى آمالكم
صرنا كآثار الخطى وهم لو — لم نرض إلى منتهى آمالكم

---

(۱) حیات شیخ الہندؒ، ص:۴۰

قتلتنا قتل العدو فقل لنا ... هذا دلال أم جزاء خلالكم
مذغبتَ عن عينيّ طالت ليلتي ... أم أظلم الأيام دون جمالكم
فسواد ظلك فاق أنوارًا كما ... عكس الذّكاء يُرى كدورة خالكم
هذا الجمال ولا جمال يفوقه ... عبد الحميد أظن في تمثالكم
سِرٌّ الكرام البيض وابن صميمهم ... و سلالة الأشراف زبدة آمالكم
لو كنت فيه بمسمع أو منظر ... لعرضت يا من شاع صيت نوالكم
الناس أطوار ولكن أين ما ... بجمالكم وجلالكم وكمالكم
لا تسلون وقد فننت بهجركم ... أفما فرغتم بعد من إدلالكم
دعنا نموت تحسّرًا فإلى متى ... إدلالكم والخبر عن إقبالكم
لله دركم بني عثمان لو ... هذا دليل جمالكم وجلالكم
شمس الضحىٰ بحر الندىٰ أسد الوغىٰ ... لا فضل إلا وهو في أفضالكم
قد غرّ طاغوت النصارى حلمكم ... ومكارم الإخلاق دون نزالكم
لو لاه ما طمع النصارى فيكم ... فأروا بسالتكم و حد نضالكم
فسيندمون و لات حين ندانة ... إذ قد تبدي ناجذا أهوالكم
ربما سبقتم موتهم فلو أنهم ... ماتوا فما يغني من استقبالكم
الخيل خيلكم اعزن وما استوىٰ ... نقع أثارتها إلى أذيالكم
فاتت حقول جنودهم فرسانكم ... فوت المحال عقولكم و مثالكم
طارت إليهم خيلكم فعقولهم ... طارت كمثل المال من أفضالكم
قد أوقدوا نار الوغىٰ حتى إذا ... حمى الوطيس و لا برق نضالكم
برود كما قتلوا بها فاستدفؤوا ... بالنار أم هانت بجنب نكالكم
لا يهربون من المنايا إن أتت ... وإذا أتيتم أدبروا كنبالكم
لجاؤا إلى النيران لما عاينوا ... بأسًا شديدًا من وراء نضالكم
خذهم أمير المؤمنين فإنهم ... بدأ واو قد غدروا على إمهالكم
فإلى متى هذا التلطف و الأسىٰ ... و إلى متى إصلاحهم بمقالكم
يا خادم الحرمين حامي ملة ... بيضاء فوق وجوهكم و بخالكم
قو أعزة الحرمين شر جماعة ... ليس مذل لهم سرى أبطالكم
قر أعزة الدين القويم و أهله ... بالهمة العليا كذِرْوَةِ خالكم

هــذا أوان قيــامــكــم بــدفــاعهـم　　لا زال عــزتــكــم و عــزة آلــكــم
الله نــاصــركــم فبــدد جــمــعهــم　　شــرد بهــم مــن خــلفهــم لقتــالهم
لــو لا مهــالك فــي مهــالك دونــكــم　　مــن دونهــا أخرىٰ و هــن كــذالكم
و مــوانــع و عــلائــق و عــوائــق　　عــاقــت مــنى عــرض الــمنى بحيالكم
لــرايتــنــا و نــحورنــا كسيوفكم　　مــن دون نــحــركــم عــصــمة لآثــالكم
نــعــدو إليهــم مــوجــعين نــقــول يــا　　أعــداء أنــفســكــم عــداة عيــالــكــم
إن كـــان بــغيتــكــم ببــغيــكــم　　فــرمــاحــنــا تــعلى رؤس رجــالــكــم
تــعصون من طــاعــت منــايــاكم لــه　　وتــمــاطــلــون معجــلى آجــالــكــم
هــو رأســكــم و بــه البــقــا ان يعتــزل　　فــالــموت أدنــى مــن شــراك نعــالكم
شــمــس و مــا شــمــس فهــل من مظلم　　هــاتــوا بــظــلــمة غيكــم وضــلالــكــم
إيــاكــم وجــنــوده فسيــوفهــم　　خــطــافة الأرواح مــن أمثــالــكــم
يــا حبــذا عبــدالــكــريــم أميــرهــم　　قــد قــطــع الأسبــاب قــطــع حبــالــكــم
فــفــررتــم عــن أمهــاتــكــم وعــن　　أبــنــائــكــم وعــن ذوات حــجــالــكــم
فيــكــاد يبــرى سيفــه الأشــكــال مــن　　أجســامــكــم والــلــون أشــكــالــكــم
جبـــل إذا زاحـــمتــم، بـــرق إذا　　أجــفــلــتــم، سيــلٌ لــدن استــقــلالــكــم
بـــرق و مـــا بـــرق فهــل مــن دافــع　　ليــدك أرضــكــم و ضــم جبــالــكــم
ليـــث ومـــا ليـــث أوان قتــالــكــم　　غيــث ومــا غيــث لــدى إمحــالــكــم
قسـم السيــوف فــأن قــوائــمهــا لهــم　　وصــدروهــا لــكــم إلــى أجــفــالــكــم
عبد الكــريم ابــن الكــريم ابو الكريم　　قــاتــل الــكــرمــاء من اقبــالــكــم
أســرد الــضــرب انتهــوا خيــرا لــكــم　　لا تــرجــعــون صــلاحــكــم بــخبــالــكــم
أ فــلا تــرون مــصــائبــا تــرب الــردىٰ　　أحــلــلــن أهــو إلا مـــحـــل
لا رأس فيــه حــجىٰ ولا قــلــب بــه　　صبــر فهــل سلبــا مــع أمــوالــكــم
هـــذى ديـــاركــم فـــلا داع ولا　　فيهــا مــجيب دعــائــكــم وسؤالــكــم
قــد اظــلــمت كــوجــوهكــم وحظــوظــكــم　　هــل ســودتهــا ظــلــمة مــن بــالــكــم
أم طـــال ليــلــتــكــم فــذاك ظلامهــا　　أم أظــلــمت أيــامكــم بــفــعــالــكــم
أم آن شــدكــم الــرحــال إلــى لــظــى　　فــالله أخــرهــا لشــدّ رحــالــكــم
لــى لا تــضــلــوا عن طــريق جهنــم　　لــضــلالــكــم و ظــلام سوء مــآلــكــم

بـى أظـلـمـت؟ مـن دون ظـل الله مـن — فـي ظـلـى نـور الهدى لـمـنـالـكـم
الـلـه يـنـصـره ويخذلكم بـه — ويـزيـد فـي الـعـز مـن إذلالـكـم [1]

وفات:

حضرت سفر حج کے بعد سے برابر بیمار چلے آرہے تھے؛ مگر سخت بیماری اور ضعف کے باوجود دینی خدمات کا تسلسل جاری تھا۔ بیماری اور سخت کھانسی میں ایک مشہور ہندو مبلغ اور پیشوا سوامی دیانند سرسوتی کے اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کو علی الاعلان چیلنج کرنے کی وجہ سے دیوبند سے سفر کرکے رڑکی گئے، سوامی دیانند کے اعتراضات کے جواب دیے اور ان پر دو کتابیں تحریر کیں۔ بیماری میں سفر اور محنت کی وجہ سے مرض بڑھتا چلا گیا، دو تین دن بہت نازک کیفیت رہی، اسی میں ۴؍جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ؍ پنج شنبہ (۱۵؍اپریل ۱۸۸۰ء) کو دیوبند میں وفات ہوئی، وہیں دفن کیے گئے [2]۔

❁ ❁ ❁

(۱) یہ قصیدہ قصائد قاسمیہ (جو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے فارسی عربی کلام کا مجموعہ ہے) میں شامل ہے، اور اس کی اصل جو خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قلم سے ہے، مفتی الٰہی بخشؒ اکیڈمی کاندھلہ ضلع مظفرنگر، یو. پی میں محفوظ ہے؛ مگر نہایت غلط چھپا ہے، اور اس کی ترتیب بھی نسخۂ مصنف کے مطابق نہیں۔ (ص:۱۹؍تا ص:۲۲، مطبوعہ عین الاخبار مراد آباد: بلا سنہ طباعت)؛ اس لیے یہاں نسخۂ مصنف پر اعتماد کیا گیا، ترتیب اسی کے مطابق ہے۔ یہاں یہ بات بھی ضروری اور قابل ذکر ہے کہ اسی مجموعے میں سلطان عبدالحمید کی شان میں مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ [وفات: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء]، ہندوستان کے عربی زبان کے مایہ ناز ادیب، مصنف اور شاعر، مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ [صدر مدرس دارالعلوم دیوبند] کا ایک قصیدہ بھی شامل ہے۔ ص: ۳۳؍تا ۴۳۔

(۲) حضرت مولاناؒ کے احوال و خدمات پر حضرت مولاناؒ کے رفقا اور شاگردوں نے کئی عمدہ کتابیں لکھیں، بعد میں کئی اور کتابیں چھپیں، جن میں:

۱- احوال طیب مولانا محمد قاسمؒ از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
۲- سوانح قاسمی، از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (تین جلدیں)
۳- قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تالیف: مولانا سید نور الحسن راشد کاندھلویؒ
۴- الامام محمد قاسم النانوتویؒ- حیات، افکار، خدمات [مجموعۂ مقالات سیمینار حضرت مولانا محمد قاسمؒ، دہلی

قسط (۵)

مسئلہ فلسطین اور سلطان عبدالحمید ثانی

مولانا عتیق احمد بستوی ❖

قراصوہ سلطان کی خدمت میں

ڈاکٹر ہرٹزل کے علاوہ ممتاز صہیونی قراصوہ نے بھی سلطان عبدالحمید کو صہیونی کے منصوبہ پر راضی کرنے کے لئے اپنی پوری توانائی اور قوت صرف کردی، اس نے بھی سلطان سے ملاقات کی اور سلطنت عثمانیہ کی مالی بدحالی کے پیش نظر گراں قدر مالی تعاون کا لالچ دیا۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

''مشہور سرمایہ دار یہودی قراصوہ نے قصر شاہی کے ایک ملازم کمال بک کے توسط سے سلطان عبدالحمید سے ملاقات کی درخواست کی، درخواست منظور ہوگئی اور عارف بک کی موجودگی میں ملاقات ہوئی، قراصوہ نے سلطان سے عرض کیا کہ میں جماعت ماسونیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے سلطان معظم کو زحمت دینے حاضر ہوا ہوں کہ پچاس لاکھ (۵۰۰۰۰۰۰) لیرہ سونا اپنے خزانۂ خاص کے لئے بہ طور ہدیہ اور دس کروڑ (۱۰۰۰۰۰۰۰۰) حکومت کے خزانہ کے لئے سوسال کے لئے بلاسود قرض کے طور پر قبول فرمائیں اور ہم یہودیوں کو فلسطین میں چند خصوصی حقوق عطا فرمائیں، ابھی قراصوہ کی گفتگو مکمل نہیں ہوئی تھی، اسی دوران سلطان نے عارف بک کو غضبناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، کیا تمہیں معلوم تھا کہ یہ خنزیر کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ عارف بک قسم کھاتا ہوا سلطان کے قدموں پر گر پڑا کہ مجھے اس کے ارادے کا علم نہیں تھا۔ سلطان نے قراصوہ کی طرف متوجہ ہو کے فرمایا: اے کمینے میرے پاس سے چلا جا، قراصوہ نے اٹلی پہنچ کر سلطان کے نام تار بھیجا۔ آپ نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا، یہ ٹھکرانا آپ کے لئے اور آپ کی سلطنت کے لئے بہت منہگا پڑے گا۔(۱)

❖ استاذ حدیث وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنو

(۱) حقیة الماسونية و أهدافها، ص:۱۱۹

ایک بار یہودیوں کا سہ نفری وفد جو مزارحی قرا صوہ، جاک، لیون پر مشتمل تھا سلطان عبد الحمید ثانی سے ملاقات کرنے حاضر ہوا، سلطان نے ملاقات کرنا منظور نہیں کیا، اور حکم دیا کہ قصر شاہی کے ملازم تحسین پاشا سے مل کر اپنی عرض داشت پیش کریں، یہودیوں نے حاضری کا مقصد بیان کیا کہ دولت عثمانیہ یہود کو مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے فلسطین میں داخلہ اور بیت المقدس کے قریب یہودی نو آبادیاں قائم کرنے کی اجازت دے، اس کے بدلے ہم سلطنت کے لئے حسب ذیل وعدہ کرتے ہیں۔

(۱) دولت عثمانیہ کا سارا قرض ادا کردیں گے۔

(۲) سلطنت عثمانیہ کی حمایت وحفاظت کے لئے ایک بحری بیڑہ تیار کریں گے۔

(۳) سلطنت کے مالیہ کو سدھارنے کے لئے (۳۵۰۰۰۰۰۰) ساڑھے تین کروڑ لیرہ سونا بلا سود و قرض کے طور پر پیش کریں گے، تحسین پاشا نے یہودی وفد کا مدعا سلطان کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے جواب دیا، تحسین ان بے حیا یہود سے یہ باتیں کہو۔

(۱) سلطنت عثمانیہ کے قرضے اس کے لئے عار کی بات نہیں، کیوں کہ دوسری بڑی حکومتیں بھی مثلاً فرانس مقروض ہیں۔

(۲) بیت المقدس کو مسلمانوں نے پہلی مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں فتح کیا، میں اس بات کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مقدس اراضی کو یہود کے ہاتھ فروخت کرنے کا عیب تاریخ اسلام میں اپنے سر لوں اور نہ میں اس امانت میں خیانت کرسکتا ہوں، جس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں نے میرے کندھوں پر رکھی ہے۔

(۳) یہودی اپنا مال محفوظ رکھیں، دولت عثمانیہ اپنی حفاظت کے لئے ان قلعوں میں پناہ نہیں لے سکتی جو اسلام کے دشمنوں کے مال سے تیار ہوئے ہیں، آخر انہیں حکم دو کہ یہاں سے چلے جائیں اور اس کے بعد مجھ سے ملاقات یا قصر سلطان میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں۔(۱)

چند مزید شہادتیں

مسئلہ فلسطین کے بارے میں سلطان عبد الحمید کے اس مؤمنانہ اور مدبرانہ موقف کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہرٹزل نے اپنی ڈائری میں خود اس کا تذکرہ کیا ہے، ہرٹزل لکھتا ہے کہ سلطان نے اس سے ملاقات کرنا منظور نہیں کیا اور ہرٹزل کے پاس ایک قاصد کو یہ پیغام لے کر بھیجا ''ڈاکٹر ہرٹزل کو

---

(۱) حقیقۃ الیہود، ص: ۴۳-۴۴

نصیحت کرو کہ اب اس سلسلے میں نئے قدم نہ اٹھائے، میں ایک بالشت زمین سے دست بردار نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ زمین میری ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ میرے عوام کی ملکیت ہے، یہودی اپنا دسیوں لاکھ جنیھہ سونا محفوظ رکھیں، جب میرا امپائر ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے تو شاید یہود اس وقت بلا قیمت فلسطین لے سکیں، لیکن ضروری ہوگا کہ پہلے ہمارے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اور جب تک ہم میں زندگی کی رمق ہے ہم لوگ اپنے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنے دیں گے۔(۱)

مشہور انتہا پسند صہیونی اسرائیل کوہین اپنے انداز میں اس واقعہ کو بیان کرتا ہے ''بہت دوڑ دھوپ اور سفارشوں کے بعد ہرٹزل کو سلطان عبدالحمید کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی، اس کو معلوم تھا کہ سلطان معظم کو مالی مشکلات کا سامنا ہے، ہرٹزل نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور سلطان کے سامنے تجویز پیش کی کہ یہود دولت عثمانیہ کو سالانہ متعین ٹیکس ادا کریں اور یہودی بنک سے رابطہ قائم کرکے ہرٹزل سلطنت عثمانیہ کو قرض دلوائے۔ ملاقاتیں لگاتار ہوئیں، تجویزیں بار بار پیش کی گئیں، لیکن ہرٹزل کی مساعی ناکام رہیں۔ سلطان نے صرف اتنا وعدہ کیا کہ فلسطین کے بجائے اناطولیہ، عراق، شام میں یہود کو سکونت اختیار کرنے اور نوآبادیاں قائم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(۲)

سخت قوانین اور تدبیریں

صہیونیوں کی پیہم تگ ودو اور ملاقاتوں سے سلطان چوکنا ہوگئے، ان کی دوربین نگاہ اور دوررس ذہن نے تاڑ لیا کہ یہودی قانونی راستہ سے ناکام ہونے کے بعد غیر قانونی راستے اختیار کریں گے اور فلسطین کے مقامی حکام کو بہکانے اور خریدنے کی کوشش کریں گے، اس لئے فلسطین کے بارے میں قوانین سخت کردیئے، مشتبہ حکام کا تبادلہ کیا اور تمام حکام کو چوکنا کردیا۔

''سلطان نے فلسطین کے بارے میں یہود کے حریصانہ عزائم کی روک تھام کے لئے چند اقدامات کئے، فلسطین کے نظم ونسق اور حکمرانی کے لئے پرانے حکام کی جگہ قصر شاہی کے بعض معتبر ملازمین کو بھیجا، بیت المقدس بھیجا جانے والا پہلا شخص توفیق بک ہے جو یہودی مؤرخ ماندل کے بقول قوانین نافذ کرکے دور دراز کے یہود کو فلسطین میں داخل ہونے سے روک دیا، ہاں اس پابندی سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جو دینی زیارت کے لئے صرف تیس دن کے لئے قیام کرنا چاہیں، ضمانت مالی ادا کریں اور مدت پوری ہوتے

---

(۱) المجتمع، شمارہ:۳۵۹، شعبان ۱۳۹۷ھ، ص:۱۸-۱-المجتمع شمارہ ۳۸۱-۱رصفر ۱۳۹۸ھ، ص:۱۹-المخططات، ۱۰۱

(۲) هذه هي الصهيونية، ص:۵۰

ہی بلاد فلسطین سے رخصت ہونے کا وعدہ کریں، ان جدید قوانین پر غیرملکی سفارت خانوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا، اس کے بعد قدس کے حاکم نے تار کے ذریعہ باب عالی سے جدید قوانین کے متعلق ضری توضیحات طلب کیں، اس کے بعد صدراعظم کی طرف سے جواب موصول ہوا، جس میں انہوں نے ہجرت یہود سے متعلق قوانین کو سختی سے نافذ کرنے کا حکم دیا، بیت المقدس میں متعین برطانوی قونصل خانہ کے افسر دیکسون کا بیان ہے کہ قدس کے حاکم نے اپنے سکریٹری کے بدست میرے پاس ایک خط بھیجا، جس میں تحریر ہے کہ مجھے باب عالی سے نئی ہدایات موصول ہوئی ہیں، اس میں غیرملکی یہودیوں کے فلسطین میں داخلہ سے متعلق قوانین کو نافذ کرنے کے لئے کہا گیا ہے، خواہ وہ یہودی کسی قوم وملک سے تعلق رکھتے ہوں، ان قوانین کا نفاذ برطانوی یہود پر بھی ہوگا، قوانین میں صراحت ہے کہ کسی غیرملکی یہودی کو ضمانت مالی ادا کئے بغیر اور تیس دن کے اندر فلسطین چھوڑنے کا عہد لئے بغیر فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔(۱)

صیہونی مایوس ہوگئے

یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ یہ شاہین دام ہم رنگ زمین میں نہیں پھنسے گا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار تعلیم یافتہ صہیونی سلطان کی طرف سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے ’مرغ دگر‘ کی تلاش شروع کردی اور سلطان کو معزول کرنے کے لئے سازشوں کا جال بچھایا، اب تاریخی دستاویزات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلطان کو بدنام اور معزول کرنے میں یہود اور ان کے آلۂ کار عناصر پیش پیش تھے۔ کچھ سادہ لوح، مخلص مسلمان رہنما بھی یہودی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر سلطان کے خلاف تحریک میں کود پڑے، لیکن تحریک کی قیادت اور لگام یہودی عناصر کے ہاتھوں میں تھی، سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی کے اسباب، محرکات اور نتائج پر مفصل مقالہ میں بحث کی جائے گی، سردست ہم بحث کو سمیٹتے ہوئے چند شہادتیں پیش کرکے مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ (جاری)

(۱) المجتمع، شمارہ:۳۸۱، یکم صفر ۱۳۹۸ھ ص:۱۷

قسط (۵)

دینی مدارس کے لئے ''لسان قوم'' کی اہمیت

(وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه)

پروفیسر محسن عثمانی ندوی❖

دنیا میں بہت سی اسلامی جماعتیں مختلف ملکوں میں سرگرم عمل ہیں یہ جماعتیں مفید خدمات انجام دے رہی ہیں لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست'' ہر کسی کی فکر اور تخیل کی پرواز اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے یہ درحقیقت انسانی سوچ کے مختلف درجات ہیں اور حالات ہیں، مسلمانوں کی بعض جماعتیں اپنے شہر اور اپنی ریاست کے حدود میں کام کرتی ہیں، جیسے بہار میں امارت شرعیہ اور آندھرا پردیش اور تلنگانہ میں میں تعمیر ملت کا ادارہ ہے، بعض تنظیمیں ملک کی سطح پر کام کرتی ہیں جیسے جمیعۃ علماء اور جماعت اسلامی ہند، بعض تنظیمیں عالمی سطح پر لیکن صرف مسلمانوں کے درمیان کام کرتی ہیں جیسے مولانا الیاس کی قائم کردہ تبلیغی جماعت۔ اس جماعت کا کام چھ اصولوں تک محدود ہے۔ لیکن پیغمبرانہ سوچ سب سے بلند ہوتی ہے اور عالمگیر ہوتی ہے اور دنیا کے تمام انسانوں سے مخاطب ہوتی ہے، پیغمبر پوری دنیائے انسانیت کو خطاب کرتا ہے، اس حدیث سے پیغمبرانہ مشن کی عالمگیریت کا اندازہ ہوسکتا ہے انما مثلی ومثل الناس کمثل رجل اوقد نارافجعل الجنادب والفراش یقعن فیھا وھو یذبھن عنھا وانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تفلتون من یدی (۱) آپ نے فرمایا ''میری مثال اور تمام لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی اور پروانے اس آگ میں آ آ کر گرنے لگے اور وہ شخص پروانوں کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہے میں تم سب کو کمر میں ہاتھ ڈال کر (جہنم کی) آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے پھسل جارہے ہو'' یہ ہے پیغمبرانہ مشن، تمام بنی نوع انسان کو جہنم کا ایندھن بننے سے روکنا، ان کو ایمان لانے کی دعوت دینا۔ یہی کار رسالت پوری امت کے سپرد کیا گیا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

❖ سابق پروفیسر جے این یو، دہلی

(۱) بخاری ومسلم

وتـومـنون باللہ (۱) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو'' قرآن سے اور احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کو خیر امت کا گولڈ مڈل اس لئے دیا گیا ہے اور خلعت فاخرہ اس لئے پہنائی گئی ہے کہ وہ ہر دور میں پوری انسانیت کے درمیان وہ مشن لے کر کھڑے ہوں جو پیغمبروں کا مشن تھا لیکن مسلمانوں نے خود کو اس مشن کا اہل ثابت نہیں کیا، انہوں نے قوم سے خطاب کرنے کے لئے قوم کی زبان تک نہیں سیکھی۔ ہندوستان میں قوم کو یعنی برادران وطن کو لسان قوم میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ایمان لانے کی دعوت دینا وہ کار رسالت ہے جسے ہندوستان کے علماء اور مصلحین نے انجام نہیں دیا اور نہ ان کے تعلقات تھے غیر مسلموں سے کہ وہ یہ کام آسانی سے انجام دیتے جب کہ پیغمبروں کے غیر مسلموں سے تعلقات ہوا کرتے تھے۔ اگر چہ ان علماء اور مصلحین نے بیش بہا علمی خدمات انجام دی ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح کا بھی بڑا کام کیا ہے۔

بیسویں صدی نے ہندوستان میں کئی عبقری شخصیتیں پیدا کیں، مولانا مودودی (۱۹۰۳ـ۱۹۷۹) نے اسلام کی ایک عظیم نظریاتی تحریک برپا کی جس کے اثرات پورے عالم اسلام پر پڑے، اس تحریک نے اقامت دین کو اپنا نصب العین قرار دیا دعوت اس جماعت کا مقصد اولین تھا، پاکستان بننے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مولانا مودودی کا یہ بہت صائب مشورہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے جانے کے بعد ہندوؤں کی انگریز دشمنی تو ختم ہو جائے گی لیکن مسلم دشمنی باقی رہے گی، یہاں کی تیرہ و تار فضا میں جو سب سے اہم کام کرنے کا ہوگا وہ یہ کہ اسلام کے پورے لٹریچر کو ہندی اور مقامی زبانوں میں منتقل کر دیا جائے اور یہ لٹریچر غیر مسلموں تک پہونچایا جائے بالفاظ دیگر لسان قوم کے ذریعہ ہندوستانی قوم میں اشاعت دین کا کام کیا جائے، انہوں نے اپنے خطبہ مدراس میں مسلمانوں کو کتنا صحیح مشورہ دیا تھا۔

''چوتھا سب سے ضروری کام یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن اور وہ تمام لوگ جو آئندہ ہماری تحریک سے متاثر ہوں ہندوستان کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریر و تقریر کی قابلیت بہم پہونچائیں جو آئیندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں، نیز اس امر کی انتہائی کوشش کریں کہ ان زبانوں میں جلدی سے جلدی اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کر دیا جائے، جنوبی ہند میں ٹیمل تلنگی کنڑی ملیالم اور مرہٹی مغربی ہند میں گجراتی مشرقی ہند میں بنگلہ اور باقی ہندوستان میں ہندی اب تعلیم کی زبانیں ہوں گی یہی اپنے اپنے علاقوں میں دفتری اور سرکاری زبانیں بھی ہوں گی، اور ان ہی میں ملک کا لٹریچر بھی شائع ہوگا۔

اگر مسلمان اپنی قومی عصبیت کی بنا پر صرف اردو تک اپنی تحریر و تقریر کو محدود رکھیں گے تو ملک کی عام آبادی سے بیگانہ ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے پاس اپنے کروڑوں ہمسایوں کو اپنا ہم خیال بنانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا، بلاشبہہ ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اردو زبان نہ صرف باقی رہے بلکہ فروغ پائے کیونکہ

(۱) آل عمران ۳

اب تک کا ہمارا سارا سرمایہ علم وتہذیب اسی زبان میں ہے، لیکن ہم اسلام کے مستقبل کو اردو زبان کے دامن سے باندھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اگر اردو زبان ملک کی عام زبان نہیں بن سکتی اور آثار یہی بتا رہے ہیں کہ اس کو یہ حیثیت حاصل نہ ہوگی تو پھر جن جن زبانوں کو ملک میں رواج حاصل ہوگا ہم ان سب میں اسلام کا لٹریچر مہیا کریں گے اور ان سب زبانوں کو اسلام کی دعوت اور تبلیغ کے لئے استعمال کریں گے، ایسا کرنا صرف غیر مسلموں ہی کے خاطر نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی آئیندہ نسلوں کو بھی مسلمان رکھنے کی خاطر ضروری ہے کیونکہ آگے چل کر مسلمان بچے درسگاہوں میں تعلیمی زبان اور درسگاہوں سے باہر ملکی زبان سے اس قدر متاثر ہوں گے کہ اردو سے ان کا تعلق برائے نام رہ جائے گا اور اگر ان زبانوں میں کافی اسلامی لٹریچر نہ ملا تو وہ بالکل اکثریت کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں گے۔(۱)

یہ مولانا مودودی کی فراست مومنانہ تھی کہ انہوں ہندوستان میں لسان قوم کی اہمیت کو محسوس کیا اور بتا دیا کہ مسلمانوں کو اس ملک میں کیا کرنا ہے اور اگر یہ سب نہ کیا گیا تو کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

ہندوستان میں بیسوین صدی کی دوسری اہم شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی (۱۹۱۴ـ۱۹۹۹) کی تھی، عرب وعجم ہر جگہ اللہ نے ان کو غیر معمولی مقبولیت عطا کی ''روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام'' انہوں نے انبیاء کرام کے حالات پر کئی کتابیں لکھی تھیں (النبوہ والا نبیاء فی ضوء القرآن۔ قصص النبیین وغیرہ) اسی کے ساتھ تاریخ اسلام کے تمام مصلحین اور مجددین کا تذکرہ بھی تاریخ دعوت وعزیمت کے نام سے کئی جلدوں میں انہوں نے لکھا ہے۔ ہم نے اوپر کی سطروں میں پیغمبرانہ مشن اور ہمارے مصلحین کے کام کے درمیان جو بنیادی فرق تھا وہ بیان کیا ہے اس فرق کا جاننے والا مولانا علی میاں سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا تھا۔ لیکن اس فرق کو انہوں نے کبھی اسطرح بیان نہیں کیا جس طرح میں نے بیان کیا ہے۔ مولانا نے ہمیشہ احتیاط برتی اور اپنی شخصیت کو اختلافی شخصیت نہیں بننے دیا، انہوں نے اپنی متفقہ قائدانہ شخصیت کی ہمیشہ حفاظت کی۔ انہوں نے پیغمبرانہ مشن اور تاریخ کے دعوت وعزیمت کے عظیم کرداروں کے درمیان جو فرق رہا ہے اس کو ضرور محسوس کیا ہوگا، انہوں نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ ہر پیغمبر اپنی قوم سے لسان قوم میں خطاب کرتا ہے وہ اپنی قوم سے اور قوم کے اصاغر واکابر سے اعیان ومشائخ سے سب سے پورے طریقہ سے واقف ہوتا ہے بالفاظ دیگر دعوت کا پلیٹ فارم اس کو تیار ملتا ہے، وہ دعوت کے کام کو اللہ کے حکم سے شروع کر دیتا ہے (فاصدع بما تؤمرو اعرض عن المشرکین۔(۲)

(جاری)

❁ ...... ❁ ...... ❁

(۱) روداد پنجم ۱۸۳ـ۱۸۴ (۲) الحجر ۹۴

آخری قسط

حیوانات کے حقوق اور احکام

مولانا امانت علی قاسمی ❖

جانوروں کو کن انسانی مصالح کے لئے مارا جاسکتا ہے؟

جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانی نفع اور مصلحت کے لئے پیدا کیا ہے والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع الخ اس لئے انسانی ضرورت و مصلحت کے لئے مثلاً ان کے گوشت اور ان کی کھال سے انتفاع کے لئے جانور کو قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح لہو ولعب کے علاوہ مباح مقصد کے لئے جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: وحل اصطياد ما يؤكل لحمه ومالا يؤكل لحمه لمنفعة جلده او شعره او ريشه (۱) علامہ باجی نے منتقی میں نقل کیا ہے کہ جانوروں کا شکار تین مقصد کے تحت کیا جاتا ہے، ایک کمائی اور تجارت کے لئے، دوسرے اس کا گوشت کھانے کے لئے، ان دو مقاصد کے لئے جانور کا شکار کرنا درست ہے اور ایک لہو ولعب کے لئے یہ درست نہیں ہے، وهو على ثلاثة اضرب ضرب يفعله المتصيد على وجه الحاجة اليه للتكسب والاستغناء به وضرب يفعله على وجه الحاجة إلى اكل لحمه وضرب يفعله على وجه الهواء والراحة فاما ما يفعله على وجه الحاجة للتكسب ولاكل لحمه فلا خلاف فى اباحته دون كراهته فيه واما الصيد للهو فكرهه مالك. (۲)

لیکن اس کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ جانور کم یاب ہو اور اس کا شکار کرنے سے جانور ختم ہو جائے اور ماحولیات پر اثر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا حکومت کی طرف سے اس کے قتل کی پابندی ہو تو پھر ان صورتوں میں ان جانوروں کا قتل کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ انفرادی ضرورت پر اجتماعی مصالح کو ترجیح دی جاتی ہے، ہاں اگر اس جانور سے مصالح عامہ متعلق نہ ہو اور نہ ہی حکومت کی طرف سے پابندی ہو تو

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

(۱) الدر مع الرد ۶/۴۶۷

(۲) الباجی، ابوسید سلیمان بن خلف، المنتقی شرح المؤطاء، مطبعة السعادة بجوار محافظة مصر، ۱۳۳۲ھ، ۳/۱۲۱

پھر اس کے شکار کرنے اور قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس بحث کی روشنی میں ہاتھی کے دانت کے لئے یا ہرن کی سینگ کے لئے ہرن کو ذبح کرنے کا حکم معلوم ہوجاتا ہے کہ ہاتھی اور ہرن کے شکار کرنے پر حکومت نے پابندی عائد کردی ہے، لہٰذا اس کا شکار کرنا حکومتی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے ناجائز ہوگا، لیکن جس ملک یا شہر میں اس کے شکار پر پابندی نہیں ہے وہاں لوگ اگر ان مقاصد کے لئے ہاتھی یا ہرن کا شکار کریں تو یہ درست ہے۔

نقصان پہونچانے والے جانوروں کو مارنے کا حکم

جانوروں کے سلسلے میں اصل اصول یہی ہے کہ بلاوجہ شرعی کے اس کو قتل نہ کیا جائے، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی گوریے کو بھی ناحق قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے، صحابہ نے سوال کیا کہ اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے ما من انسان قتل عصفورا فما فوقها بغير حقها إلا سأل الله عز وجل عنها قيل ما حقها قال يذبحها فيأكلها. (۱) البتہ اگر جانور نقصان پہونچانے والے ہوں تو پھر شریعت نے اس کے قتل کی اجازت دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو جانور موذی ہیں اور ایذا اس کی طبیعت میں داخل ہے تو اس کا قتل کرنا جائز ہے اگرچہ اس نے نقصان نہ پہونچایا ہو اس لئے کہ قاعدہ ہے ان كل ما كان مؤذيا طبعا فإنه يقتل شرعا اسی لئے آپ ﷺ نے خاص طور پر پانچ فواسق کو مارنے کا حکم دیا خمس من الدواب كلهن فاسق يقتلن في الحرم الغراب والحداة والعقرب والفارة والكلب العقور (۲) بعض روایات میں حیۃ (سانپ) اور بعوض (مچھر) کا تذکرہ بھی آیا ہے، بعض روایت میں استحبابی طور پر کالا کتا اور چھپکلی کے مارنے کا بھی حکم آیا ہے، اس کے علاوہ جو جانور طبعی طور پر ایذا نہیں پہونچاتے ہیں اور شرعا ان کا کھانا بھی درست نہیں ہے ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اسی لئے حدیث میں چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، نملہ (چیونٹی) نحلہ (شہد کی مکھی) ھد ھد (ہدہد) صرد (ایک پرندہ جو کیڑوں کو کھاتا ہے) ابن عباس کی حدیث میں نهى عن قتل اربع من الدواب النملة والنحلة والهدهد والصرد (۳) لیکن اگر یہ جانور تکلیف پہچانے میں ابتداء کریں اور اس سے بچاؤ کی کوئی دوسری تدبیر نہ ہو تو پھر ان جانوروں کو بھی قتل کرنا جائز ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بلی تکلیف پہونچائے اور کوئی دوسری تدبیر کارگر نہ ہو تو

---

(۱) سنن النسائی، اباحۃ اکل العصافیر، حدیث نمبر: ۴۳۴۹

(۲) صحیح البخاری، باب مایقتل المحرم من الدواب، حدیث نمبر: ۱۸۲۹

(۳) سنن ابی داؤد، باب فی قتل الذر، حدیث نمبر: ۵۲۶۷

پھر بلی کو قتل کرنا جائز ہے، ہاں اگر ان جانوروں کو قید کر کے یا اپنے سے بہت دور کر کے تکلیف سے بچنا ممکن ہو تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے: قتل النملة تكلموا فيها والمختار أنه اذا ابتدأت بالأذى لا بأس بقتلها وإن لم تبتدئ يكره والقائها في الماء يكره مطلقا لانه تعذيب لا مبرر له وقتل القملة لا تكره واحراقها واحراق العقرب بالنار يكره والهرة اذا كانت مؤذية لا تضرب ولا تعرك بل تذبح بسكن حاد. (۱) تیسری قسم کے وہ جانور جو انسان پر حملہ کریں اور انسان کو اپنی جان کا خطرہ ہو جائے تو اس صورت میں اس کو قتل کرنا جائز ہے، جیسے بہت سے درندے اور خطرناک جانوران کے حملہ کرنے کی صورت میں ان کو قتل کرنا جائز ہے، وان صال فلا شئ بقتله خلافا لزفر اعتبارا بالجمل الصائل (۲) باقی عام حالات میں شریعت نے جانور کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، اس لئے کہ وہ جانور اگرچہ انسانوں کے کام نہیں آتے ہیں، لیکن ماحول کو انسان کے موافق بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں اسلامی ہدایات

اسلام نے جس طرح انسانوں کی عظمت کا خیال کیا ہے اور اس کے حقوق بیان کئے ہیں، اسی طرح جانوروں کے بھی حقوق بیان کئے ہیں اور جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، جانوروں کے ساتھ اسلام کی ہمدردی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں بہت سی سورتوں کا نام اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے نام پر رکھا ہے، سورہ بقرہ، انعام، نحل، نمل، عنکبوت، فیل وغیرہ اس کے ساتھ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی تعظیم وتکریم اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم بھی فرمائی ہے، والانعام خلقها لكم فيها دفءٌ ومنافع ومنها تأكلون. اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے حقوق کے تعلق سے بہت سی باتوں کی تعلیم دی ہے، اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جانور انسانوں کے ساتھ سب سے زیادہ ربط وتعلق رکھنے والی مخلوق ہے، دوسرا مسئلہ یہ مستنبط کیا ہے کہ مخلوقات میں انسانوں کے بعد سب سے اشرف مخلوق جانور ہیں، اس لئے اس کے اندر انسانوں کی طرح حواس ظاہرہ اور باطنہ ہوتے ہیں اور شہوت وغصہ بھی ان کے اندر پایا جاتا ہے، (۳) اسلام نے جانوروں کے ساتھ جو حسن سلوک کی تعلیم دی ہے اس میں چند کا یہاں مختصرا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳۶۱/۵

(۲) آفندی، عبدالرحمٰن بن محمد، مجمع الانہر، دار احیاء التراث العربی، ۳۰۰/۱

(۳) عبدالکبیس، حقوق الحیوان والرفق بہ فی شریعۃ الاسلامیہ، الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ ۱۹۷۶ء، ص: ۲۴

جانوروں کے سلسلے میں اسلام کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کو بلاوجہ سے قتل نہ کیا جائے، بعض روایت میں ہے جو شخص گوریا کو بلاوجہ قتل کرے گا تو قیامت کے دن وہ گوریا اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گی کہ یا اللہ اس نے مجھے بلاوجہ قتل کیا تھا(۱) البتہ غذائی ضرورت کے لئے جانورو کو ذبح کرنے کی شریعت نے اجازت دی، لیکن اس میں بھی احسان کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرمائی، آپ نے فرمایا: جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔(۲) اچھی طرح ذبح کرنا یہ ہے کہ چھری تیز کرلی جائے، جانوروں کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے، ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے، جانور کو بری طرح نہ گھسیٹا جائے، اسی طرح جو موذی اور تکلیف پہچانے والے جانور ہیں شریعت نے ان کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے، لیکن اس کو بھی آسانی اور سہولت سے قتل کرنے کی ہدایت دی ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے ذکر کیا کہ بلی اگر تکلیف پہونچائے تو اس کو مار کر تکلیف نہ دو اگر اس کی تکلیف سے نجات کی کوئی سبیل نہ ہو تو دھاردار چھری سے اس کو ذبح کردو۔

جانور کے سلسلے میں شریعت نے حسن سلوک کے طور پر بعض جانور کی فضیلت ذکر کی ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی، گھوڑے کے بارے میں حدیث میں ہے: الخيل معقود بنواصيها الخير إلى يوم القيامة کہ گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر بندھا ہوا ہے، والابل عز لأهلها اونٹ عزت کی چیز ہے بکری میں برکت ہے، آپ نے فرمایا کہ مرغیوں کو گالی مت دو، اس لئے کہ وہ نماز کے لئے بیدار کرتی ہیں۔(۳)

جانور کو تکلیف دینے سے شریعت نے منع کیا ہے، اسی وجہ سے اس کو آگ میں جلانے کی ممانعت ہے، عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ ﷺ نے ایک چیونٹی کی بستی دیکھی جس کو ہم نے آگ لگادی تھی تو آپ نے پوچھا کس نے آگ لگائی ہم نے کہا ہم لوگوں نے، آپ نے فرمایا: آگ کے ذریعہ عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے۔(۴) چیونٹیوں کو پانی میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے، ایک روایت ہے کہ ایک اونٹ کو آپ نے روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے مالک کو بلایا اور فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو تمہارے اونٹ نے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو(۵) ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت کو اس لئے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اور اس کو کھانا پینا نہیں دیتی تھی جس کی وجہ سے بلی

---

(۱) سنن النسائی، اباحة اکل العصافیر، حدیث نمبر: ۴۳۴۹

(۲) شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل حدیث رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر: ۴۶۴۳

(۳) حقوق الحیوان والرفق بہ فی الشریعة الاسلامیہ، ص: ۲۵

(۴) سنن ابی داؤد، باب فی کراہیة حرق العدو، حدیث نمبر: ۲۶۷۵

(۵) سنن ابی داؤد، باب مایؤمر بہ من القیام، حدیث نمبر: ۲۵۴۹

مرگئی۔(۱) شریعت نے جانوروں کو بلا وجہ مارنے یا تادیب کے لئے اس کے چہرے پر مارنے سے منع کیا، اس لئے جانور کو تکلیف دینے کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اگر وہ انسان کو تکلیف پہنچائے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

اسلام سے پہلے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا کوئی نیکی کا کام تصور نہیں کیا جاتا تھا، لیکن اسلام نے جانور کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا، بلکہ مغفرت کے اسباب میں سے قرار دیا ہے، حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے: ایک شخص گرمی میں کہیں جارہا تھا اسے پیاس لگی، ایک کنواں نظر آیا وہ کنویں میں اتر کر پانی پی لیا، باہر آنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے تڑپ رہا ہے، اس نے اپنے موزے کے ذریعہ پانی نکالا اور کتے کو پلایا جس سے اس کی جان بچ گئی (۲) اس عمل کی بنیاد پر اس کی مغفرت ہوگئی، ایک صحابی نے حضور سے پوچھا میں اپنے اونٹ کے لئے پانی نکالتا ہوں، میرے پاس دوسرے لوگوں کے اونٹ بھی آتے ہیں میں ان کو بھی پانی پلاتا ہوں، کیا مجھے اس پر ثواب ملے گا، آپ نے فرمایا کہ ہر جگر والے جانور کی خدمت پر ثواب ملے گا۔(۳)

جانور کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بار برداری اور سواری کے کام آتا ہے، قرآن میں ہے: لتركبوها وزينة، لیکن اس سلسلے میں بھی شریعت نے جانور کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی تاکید کی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جب تم ہریالی میں سفر کرو تو اونٹ کو زمین سے اپنا حصہ حاصل کرنے دو (۴) یعنی ایسے مواقع میں زمین پر اتر کر چلو اور جانور کو چر کر اپنا حصہ حاصل کرنے دو، اسی نرمی کا حصہ ہے کہ آپ نے ایک جانور پر دو سے زائد لوگوں کو سواری کرنے سے منع فرمادیا، طبرانی نے حضرت علی کی روایت نقل کی ہے، حضور نے فرمایا جب تم تین لوگوں کو ایک جانور پر سوار دیکھو تو پتھر مارو یہاں تک کہ ایک اتر جائے۔(۵) اسی طرح جو جانور سواری کے قابل نہیں ہیں اس پر سواری کرنے سے منع کیا، چنانچہ گائے پر سوار ہونے کی ممانعت ہے، قال القاضی ابو بکر بن العربی لا خلاف فی ان البقر لا یجوز ان یحمل علیها.(۶)

اسلام میں جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اسلام نے جانوروں کے کھانا پانی دینے کی بڑی تاکید کی ہے، بلکہ اگر کوئی مالک اپنے جانور کو کھانا نہیں دیتا ہے تو قاضی مالک کو کھانا دینے پر مجبور کرے گا اور اگر اس کے باوجود اس کے بہتر کھانے کا نظم نہ کرے تو قاضی اس جانور کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم، باب تحریم تعذیب الهرة، حدیث نمبر:۲۲۴۲

(۲) صحیح البخاری، باب الآبار علی الطرق، حدیث نمبر:۲۴۶۶

(۳) مسند احمد، من مسند عبداللہ بن عمرو، حدیث نمبر:۷۰۷۵

(۴) صحیح مسلم، باب مراعات مصلحة الدواب، حدیث نمبر:۱۹۲۶

(۵) طبرانی

(۶) حقوق الحیوان والرفق بہ، ص:۳۱

خلاصہ: (۱) چارہ خور جانور کو ایسی غذائیں دینا جس میں لحمی اجزاء شامل ہوں لیکن اس کو جانور کے کھانے کے قابل بنا دیا جائے اور وہ حلال مذبوحہ جانور کے اجزاء ہوں تو یہ فعل جائز ہے، لیکن اگر حرام اور مردار جانور کے اجزاء ہوں اور تغیر ماہیت کے مرحلہ سے گزارے بغیر دیا جائے تو یہ ناجائز ہے، تاہم ایسے جانور کا گوشت حلال ہے، اگر نجس غذا کھانے کی وجہ سے اس میں بدبو نہ پیدا ہوئی ہو اور اگر گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے تو پھر یہ جلالہ کے حکم میں ہے۔ (۲) جانوروں سے زیادہ دودھ حاصل کرنے اور گوشت میں اضافہ کے لئے انجکشن لگانا درست ہے۔ (۳) دودھ میں اضافہ یا جسمانی حجم بڑھانے کے لئے دو جانوروں کا اختلاط جائز ہے، لیکن اگر ایک جانور حلال اور ایک حرام ہو تو اس سے پیدا شدہ جانور کے سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے، جبکہ بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا اعتبار ہوتا بہتر یہی قول معلوم ہوتا ہے۔ (۴) زینت کے لئے جانوروں کو پنجرے میں رکھنے کے سلسلے میں احناف کے یہاں کراہت اور عدم جواز کا قول ہے، جب کہ دیگر ائمہ کے یہاں جواز کا قول ملتا ہے۔ (۵) جذبات شوق کے لئے خطرناک جانوروں کو پنجروں میں بند کرنا درست نہیں ہے، اس میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں کو بھی وحشت میں ڈالنا ہے۔ (۶) جانوروں پر میڈیکل تجربات درست ہے۔ (۷) میڈیکل تجربات کے لئے یا دوا کے لئے جانور کو بے ہوش کرنا اور آپریشن کر کے کوئی آلہ اس میں رکھ دینا جائز ہے۔ (۸) شکار کے سلسلے میں حکومتی قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (۹) جہاں مسلمان تکثیری سماج کا حصہ ہوں وہاں ان جانوروں کو ذبح کرنا مصلحتاً ترک کر دینا چاہئے جس کی قانونی اجازت نہ ہو یا فرقہ وارانہ فسادات کا اندیشہ ہو البتہ اس کی حلت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ (۱۰) حکومت اگر مہمان پرندہ شکار کرنے سے منع کرے تو اس پر عمل ضروری ہے۔ (۱۱) وبائی متعدی امراض کی روک تھام کے لئے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے، اس میں بہتر شکل یہ ہے کہ مشینوں کے ذریعہ اس کو ذبح کر دیا جائے پھر دفن کر دیا جائے۔ (۱۲) جانوروں کا شکار انسانی مصالح کے لئے درست ہے، خواہ ماکول اللحم جانور ہوں یا غیر ماکول اللحم، گوشت، چمڑے یا دوسری مفید ضرورت کے لئے جانور کو ذبح کیا جاسکتا ہے، ہاتھی اور ہرن کے ذبح کرنے پر اگر پابندی نہ ہو تو اس کے دانت اور سینگ کے لئے بھی اس کو ذبح کیا جاسکتا ہے۔ (۱۳) جو جانور اپنی طبیعت کے طور پر موذی ہیں ان کو قتل کرنا جائز ہے اگر چہ وہ ایذا نہ پہنچائیں اور جو جانور اپنی طبیعت سے موذی نہیں ہیں اگر وہ تکلیف دے تو اس کا قتل جائز ہے ورنہ اس کا قتل جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی جانور حملہ کرے تو اپنی جان بچانے کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ (۱۴) جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی اسلام میں بہت تاکید آئی ہے مثلاً بلا ضرورت اس کو قتل نہ کرنا، اگر قتل کی ضرورت ہو تو بہتر انداز میں قتل کرنا، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا، بلا ضرورت اس کو تکلیف نہ دینا، اس پر زیادہ بوجھ نہ ڈالنا ثواب سمجھ کر اس کی خدمت کرنا وغیرہ۔

قسط (۵)

الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم، موبائل فون، اور انٹرنیٹ

تعارف، حقیقت، تکنیکی تفصیلات اور کچھ سوالات

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ❖

اسپیکٹرم کو استعمال کرنے کا حق اور حکومتی لائسنس

حکومت جب اسپیکٹرم کو استعمال کرنے کا حق لائسنس کی صورت میں آکشن کر کے دیتی ہے تو وہ لائسنس حاصل کرنے والی کمپنی کو صرف یہ قانونی اجازت دیتی ہے کہ وہ اس اسپیکٹرم کو قانونی طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس لائسنس کی فیس کے عوض کوئی خاص خدمت حکومت دیتی ہو یہ کم ازکم راقم کے علم میں نہیں۔ ہاں البتہ حکومت کے ادارے جیسے پی ٹی اے اور فریکونسی ایلوکیشن بورڈ ٹیلی کمیونیکیشن کے نظام کو چلانے اور باقی رکھنے کے حوالے سے حکومتی سطح پر متعدد خدمات فراہم کرتے ہیں مگر یہ خدمات لائسنس کی فیس کے عوض نہیں ہوتیں اور یہ خدمات صرف لائسنس شدہ کمپنیوں تک ہی محدود نہیں ہوتیں بلکہ یہ خدمات اسپیکٹرم کے حوالے سے عمومی ہیں جن میں پالیسی سازی سے لے کر صارفین کی شکایات تک جیسی چیزیں شامل ہیں۔ مثلاً فریکونسی ایلوکیشن بورڈ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسپیکٹرم کو مانیٹر کرے اور یہ دیکھیے کہ لائسنس کی حامل کمپنیاں صرف اپنے اسپیکٹرم کو ہی استعمال کررہی ہیں۔ یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ کہیں انٹرفیرنس (یعنی دو کمپنیوں کے سگنل آپ میں خلط ملط تو نہیں ہورے اور سگنل کی کوالٹی پر اثر تو نہیں پڑ رہا) تو نہیں ہورہی اور اگر کوئی صارف یا کمپنی اسپیکٹرم سے متعلق شکایت کرتی ہے تو اس کی شکایات کو حل کرنا بھی انہی حکومتی اداروں یعنی پی ٹی اے اور فریکونسی ایلوکیشن بورڈ کی ذمہ داری ہے۔ نیز فریکونسی ایلوکیشن بورڈ ٹیلی کمیونیکیشن کے آلات کی ٹیسٹنگ وغیرہ بھی کرتی ہے اور اس کی اجازت بھی دیتی ہے۔

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

مثال سے بات مزید وضح ہو جائے گی ان شاء اللہ۔ مثلاً جب ہم ڈرائیونگ لائسنس لیتے ہیں تو لائسنس کی فیس کے عوض ہمیں ڈرائیونگ لائسنس مل جاتا ہے اور کوئی دوسری خاص خدمت ہمیں نہیں ملتی۔ البتہ حکومت اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ بغیر لائسنس کے کوئی شخص گاڑی نہ چلائے تاکہ ایکسیڈنٹ نہ ہوں، کوئی جعلی ڈرائیونگ لائسنس نہ بنائے اور حکومت ڈرائیونگ سے متعلق پالیسی سازی اور انفراسٹرکچر کی دیکھ بھال کرے۔ بس یہی کچھ پی ٹی اے کے تناظر میں ہوتا ہے کہ وہ کمپنی کو اسپیکٹرم لائسنس فراہم کرتی ہے اور ساتھ میں اس بات کو بھی یقینی بناتی ہے کہ کوئی دوسرا اس اسپیکٹرم کو لائسنس کے بغیر استعمال نہ کرے اور اسپیکٹرم کو مونیٹر کرتی ہے تاکہ سگنل آپس میں نہ ملیں وغیرہ وغیرہ۔

بنیادی طور پر جب حکومت اس الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم کی نیلامی (آکشن) کرتی ہے تو وہ اس اسپیکٹرم میں ایک خاص فریکوئنسی کو استعمال کرنے اور لائسنس یافتہ ٹیلی کام کمپنی کو اس پر اپنے بنائے گئے سگنل بھیجنے کے حقوق Rights کو بیچ رہی ہوتی ہے۔ آسان الفاظ میں جب کسی ٹیلی کام کمپنی کو نیلامی کے بعد ایک اسپیکٹرم کا حصہ دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کمپنی اب اتنی طاقت کے سنگل بنا کر یعنی اتنی خاص فریکوئنسی کے سنگل بنا کر اس پر اپنا نیٹ ورک قائم کرسکتی ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص یا کمپنی اس لائسنس یافتہ فریکوئنسی رینج پر خود اپنا سگنل بنا کر بھیجے گا تو حکومتِ وقت یعنی پی ٹی اے حرکت میں آئے گی اور اس شخص یا کمپنی کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائی جائے گی کیونکہ حکومتی ریگولیشن کے مطابق صرف لائسنس یافتہ کمپنیاں ہی اپنے لائسنس کے حساب سے کسی خاص فریکوئنسی کو استعمال کرسکیں گے۔ البتہ جو فریکوئنسی بینڈ غیر لائسنس ہوتا ہے جیسے آئی ایس ایم بینڈ مثلاً وائی فائی کی فریکوئنسی رینج، اس فریکوئنسی کو کوئی بھی استعمال کرسکتا ہے۔

اس طرح سے دنیا بھر میں ہر ملک کی اپنی اپنی ٹیلی کام کی ریگولیٹری باڈیز ہیں جو کہ نہ صرف اس اسپیکٹرم کی نیلامی کرتی ہیں بلکہ اسپیکٹرم سے متعلق شکایتیں اور حکومتی ریگولیشن کو عمل درٓمد کرنے کو بھی یقینی بناتی ہیں۔ اگر ہم اب سے سو سال پہلے چلے جائیں تو یہ اسپیکٹرم تو موجود تھا مگر سائنسدانوں نے اس اسپیکٹرم کو استعمال کرنے کا طریقہ نہیں سیکھا تھا۔ پھر جب سائنسدانوں کی تحقیق سے ٹیلی کام اور دیگر ایجادات سامنے آئیں پھر اس اسپیکٹرم کی مانگ بڑھ گئی اور پھر حکومتوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کو ایک بزنس ماڈل کی شکل دی جائے اور اس کے ذریعے سے پیسہ کمایا جائے۔ پوری دنیا کے ممالک انٹرنیشنل ٹیلی کمیونیکیشن یونین کے قوانین کے پاسداری کرتے ہوئے اس فریکوئنسی اسپیکٹرم کو استعمال کریں گے کیونکہ آئی ٹی یو کے ممبر اسٹیٹ ہونے کے ناطے یہ ریگولیشن بائنڈنگ ہوتی ہیں یعنی ان پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

انٹرنیشنل کمیونیکیشن یونین نے پوری دنیا کے ممالک کیلئے ایک رپورٹ چھاپی ہے اور اس میں ہدایات

فراہم کی ہیں کہ کس طریقے سے ہر ملک اپنا فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ بنائے، اس کو National Table of Frequency Allocation (NTFA) نیشنل ٹیبل آف فریکوئنسی ایلوکیشن (این ٹی ایف اے) کہا جاتا ہے(۱)۔اس این ٹی ایف اے کے مطابق پوری دنیا کو تین ریجن میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر فریکوئنسی کی ایلووکیشن کی ہدایات دی گئی ہے۔اب مختلف ممالک کی جو اپنی ریگولیٹری باڈیز ہوتی ہیں وہ اس چارٹ کی رہنمائی میں اپنے ملک کی فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ بناتی ہیں۔مثلاً پاکستان میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) نے پورے پاکستان کی فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ اس آئی ٹی یو کی ہدایات کو مدِ نظر رکھ کر بنایا ہے(۲) Pakistan Table of Frequency Allocations انڈیا میں ڈیپارٹمنٹ آف ٹیلی کمیونیکیشن نے پورے انڈیا کیلئے یہ فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ بنایا ہوا ہے(۳)۔امریکہ میں یہ فریکوئنسی چارٹ فیڈ ریل کمیونیکیشن کمیشن (ایف سی سی) نے بنایا ہے، برطانیہ میں آف کام OfCom نے بنایا ہے(۴)، جبکہ آئرلینڈ میں کام ریگ نے یہ فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ بنایا ہے(۳۸)۔غرض آئی ٹی یو کی ان ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے پوری دنیا کے ممالک نے اپنے اپنے فریکوئنسی ایلوکیشن چارٹ بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے مطابق اپنے ملکوں میں ان فریکوئنسیوں کے استعمال اور نیلامی کو یقینی بناتے ہیں۔

پاکستان میں جب کسی ٹیلی کام کمپنی کو اپنی ٹیلی کام سے متعلق خدمات صارفین کو دینی ہوتی ہیں اور اپنا نیٹ ورک بنانا ہوتا ہے تو وہ حکومتِ پاکستان سے باقاعدہ اجازت لیتے ہیں اور ساتھ ساتھ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی سے اپنے استعمال کیلئے خاص فریکوئنسی بینڈ کا لائسنس لیتے ہیں۔ چونکہ بہت ساری کمپنیاں اس فریکوئنسی کو لینے میں دلچسپی رکھتی ہیں لہذا حکومتِ پاکستان اس فریکوئنسی بینڈ کی نیلامی کرتی ہے اور نیلامی میں کامیابی حاصل کرنے والی کمپنی کو یہ اختیار مل جاتا ہے کہ وہ اس لائسنس یافتہ فریکوئنسی پر اپنا نیٹ ورک تشکیل دے اور اپنے صارف کو انٹرنیٹ اور موبائل فون کی خدمات پیش کرے۔چونکہ ٹیلی کام کمپنی نے اتنا پیسہ دیا ہوتا ہے اس فریکونسی بینڈ کو استعمال کرنے کے لیے لہذا وہ اپنا نیٹ ورک ڈپلائے کرتی ہے اور ٹاورز لگاتی ہے ایکویپمنٹ لگاتی ہے ایمپلائیز رکھتی ہے پھر صارفین کو سپیکٹر متفوِیض کرتی ہے اور پھر

---

(1) National Table of Frequency Allocation (NTFA), International Telecommunication Union, 2015. Accessed 25th Nov 2023.
Link: https://www.itu.int/en/ITU-D/Spectrum-Broadcasting/Documents/Publications/Guidelines-NTFA-E.pdf

(2) Pakistan Table of Frequency Allocations, Pakistan Telecommunication Authority, 2004. Accessed 25th Nov 2023.
Link: https://www.pta.gov.pk/media/Pakistan_Table_of_Frequency_Allocations.pdf

(3) National Frequency Allocation Plan, Department of Telecommunication, Government of India, 2022. Accessed 25th Nov 2023.
Link: https://dot.gov.in/sites/default/files/NFAP%202022%20Document%20for%20e-release.pdf?download=1

(4) UK Frequency Allocation Table (UKFAT), Aug 2022. Accessed 25th Nov 2023.
Link: http://static.ofcom.org.uk/static/spectrum/fat.html

صارفین اس موبائل فون نیٹ ورک کی فریکوئنسی کو استعمال کرتے ہیں یعنی ایئر ٹائم استعمال کریں گے۔ ٹیلی کام کمپنی پھر اپنا خرچ اور منافع حاصل کرنے کیلئے ہر صارف نے کتنا ائیر ٹائم استعمال کیا، اس کے حساب سے فیس چارج کرتی ہے یا مختلف پیکیج بناتی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ٹیلی کام کمپنیوں کے پاس وہ اسپیکٹرم ختم ہوگیا ہے بلکہ حکومت نے صرف اجازت دی ہوئی ہے کہ یہاں سے لے کر یہاں تک کا اسپیکٹر مفلاں ٹیلی کام کمپنی استعمال کرسکتی ہے کیونکہ اس سے چارج لے رہے ہیں۔ اگر حکومت اجازت دے دے گی کہ اپ سارا اسپیکٹرم استعمال کرلو تو وہ سارا استعمال کرسکتے ہیں۔ نیز موبائل کمپنیوں کو جو اسپیکٹرم کا لائسنس ملتا ہے اس میں ڈیٹا ٹرانسفر کرنے کی کوئی حد نہیں ہوتی اور وہ کسی بھی تعداد میں ڈیٹا ٹرانسفر کرسکتے ہیں۔ کسی ٹیلی کام کمپنی کو جب حکومت اسپیکٹرم کا لائسنس دیتی ہے تو اس بات کا لائسنس نہیں دیتی کہ وہ کمپنی لازمی سگنل پیدا کریں، لائسنس حاصل کرنے کے بعد یہ کمپنی کی مرضی ہے وہ سگنل پیدا کریں یا نہ کریں۔ موبائل فون کمپنیاں جب حکومت سے اسپیکٹرم کے ایک خاص حصے کا لائسنس حاصل کرلیتی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ قدرت میں موجود الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم یا قدرت میں موجود لہروں کو استعمال کرکے اپنے سگنل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہیں بلکہ موبائل فون کمپنیاں خود ان سگنلز کو جنریٹ کرتی ہیں۔

اسپیکٹرم کی نیلامی سے حکومت اپنا ریونیو جنریٹ کرتی ہے۔ مختلف حکومتوں کے مختلف ریونیو جنریشن کے ماڈلز ہیں، جس کی بنیاد پر وہ ڈیمانڈ اور سپلائی کو دیکھتے ہوئے اسپیکٹرم کی آکشن کررہی ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ نفع کما رہی ہوتی ہیں۔ یہ حکومتوں کی اپنی صوابدید پر ہے کہ اس سے کتنا نفع کمانا چاہتے ہیں۔ کسی بھی حکومت کو یا ہماری حکومت کو یہ اسپیکٹرم کہیں سے خریدنا نہیں پڑتا، اس کی فیس ادا نہیں کرنی پڑتی بلکہ یہ حکومتوں کی اپنی مرضی ہے کہ وہ نیلامی میں اس کی جتنی بھی قیمت رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ریڈیو اسپیکٹرم

ریڈیو اسپیکٹرم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ تصویر نمبر میں ایک گراف پیش کیا گیا ہے جو کہ راقم کے ہی سن میں چھپنے والے سائنسی تحقیقی مقالے سے لیا گیا ہے (۳۹)۔ اس گراف میں وائرلیس ریڈیو اسپیکٹرم کی فریکوئنسی کی صفات کا ظاہر کیا گیا ہے کہ فریکوئنسی جب کلو ہرٹز KHz سے گیگا ہرٹز GHz کی طرف جاتی ہیں تو اس میں کون کون سی صفات تبدیل ہوتی ہیں۔ اس گراف میں چار مختلف قسم کی بار ہیں۔ لال رنگ کی جو بار ہے وہ کوریج ایریا Coverage Area ہے یعنی ہمارا سگنل کتنے کلومیٹر تک پہنچے گا۔ نیلے رنگ کی جو بار ہے وہ وہ ٹرانسمٹ پاور Transmit Power کو ظاہر کرتی ہے یعنی ہمیں

کتنی پاور لگانی پڑے گی۔ ہری بار ظاہر کرتی ہے کہ کتنی انرجی خرچ ہوگی۔اورنج بار ظاہر کرتی ہے بینڈ ودتھ Bandwidth کو یعنی کتنی ہمیں کتنا ڈیٹا ریٹ ہمیں ملے گا یا کتنی بینڈ ودتھ ملے گی۔ اگر ہم قدرت کی نشانی پر غور کریں تو اللہ رب العزت نے فریکوئنسی کا نظام ایسا بنایا ہے کہ جب ہم کم فریکونسی Lower Frequency پر ہیں یعنی کلو ہرٹز پر ہیں اس پر ہمارا سگنل بہت دور تک پہنچے گا یعنی ۵۰ سے ۶۰ کلومیٹر تک اُس سگنل کی لہریں سفر کریں گی۔اسی وجہ سے ہمیں زیادہ ٹرانسمٹ پاور لگانی پڑتی ہے اور ہماری انرجی بھی زیادہ خرچ ہوتی ہے مگر چونکہ یہ کم فریکوئنسی کے سگنل ہیں لہٰذا اس کی جو بینڈ ودتھ ہوتی ہے یا ڈیٹا ریٹ ہوتا ہے وہ کم ہوتا ہے۔آسان الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کم فریکوئنسی والے سگنل دور تک سفر کرتے ہیں مگر اس میں ڈیٹا لے جانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔پھر جب ہم زیادہ فریکوئنسی Higher Frequency پر جاتے ہیں تو یہ چیزیں الٹا کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔مثلاً جب ہم ٹیرا ہرٹز فریکوئنسی پر ہوں گے یعنی تصویر نمبر میں سب سے آخری والا حصہ،تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارا سگنل بہت تھوڑی دور تک ہی پہنچ پائے گا، نیز اس فریکوئنسی پر سگنل بھیجنے کیلئے ٹرانسمٹ پاور بھی کم خرچ ہوگی اور انرجی بھی کم لگے گی،مگر چونکہ یہ بہت زیادہ فریکوئنسی ہے لہٰذا اس کا ڈیٹا ریٹ بہت زیادہ ہوگا یعنی اس فریکوئنسی میں بہت زیادہ استعداد ہوگی کہ وہ ڈیٹا منتقل کر سکے۔یہ سب صفات ان فریکوئنسیوں میں اللہ رب العزت نے ہی رکھی ہیں۔

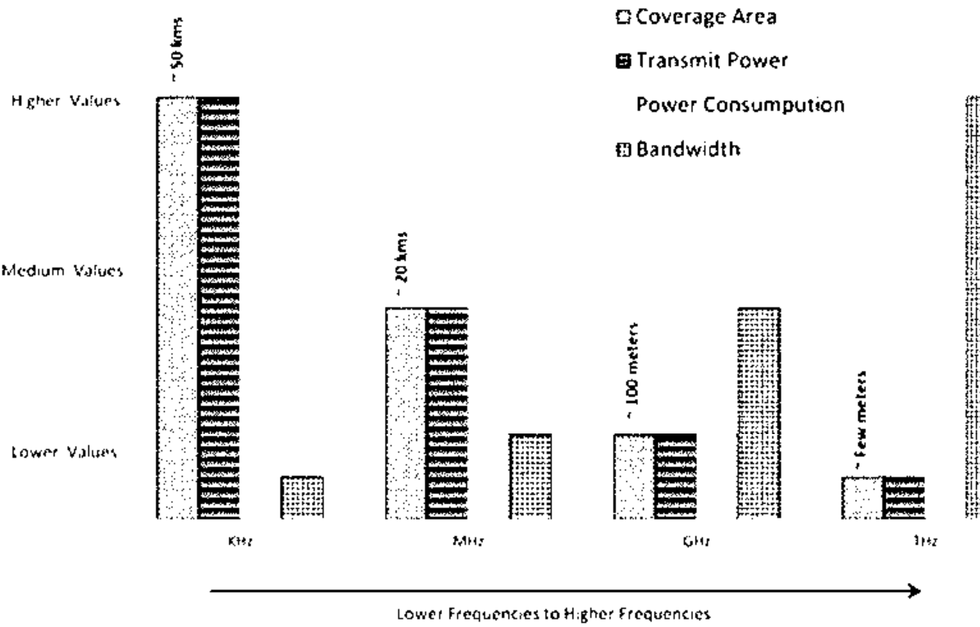

تصویر نمبر : وائرلیس ریڈیو اسپیکٹرم

اسی مثال کومزید وضاحت کے ساتھ سمجھتے ہیں۔ہم گھروں میں وائی فائی WiFi استعمال کرتے ہیں۔وائی فائی چونکہ 2.4 GHz گیگا ہرٹز فریکوئنسی استعمال کرتا ہےلہذا اس کے سنگل صرف دوسو یا تین سو میٹر تک جائیں گے،اس کے سگنل کو بھیجنے کیلیۓ ٹرانسمٹ پاور بھی کم استعمال کرنی ہوگی اورانرجی بھی کم لگے گی۔اس کے برعکس،اگرہم ریڈیو کی نشریات کے سگنل کی بات کریں تو وہ کلو ہرٹز KHz فریکوئنسی استعمال کرتا ہے،اسی وجہ سے ریڈیو براڈ کاسٹنگ ٹاور پچاس پچاس کلومیٹر کے بعد لگے نظر آتے ہیں مگران ریڈیوسگنلز پرہم کوئی ٹی وی کی ویڈیونشریات یا زیادہ ڈیٹا نہیں بھیج سکتے۔اسی طریقے سے جب ہم موبائل فون کے سگنل یعنی تھری جی 3G کی بات کریں تو وہ آٹھ سو سے نو سو میگا ہرٹز 800-900 MHz اور اٹھارہ سو میگا 1800 MHz ہرٹز کی فریکوئنسی کواستعمال کرتے ہیں۔اب تھری جی کے نیٹ ورک پرہمیں ریڈیو براڈ کاسٹنگ فریکوئنسی سے زیادہ ڈیٹا منتقل کرنے کی صلاحیت ملے گی مگر وائی فائی کے مقابلے میں ہم تھری جی پرکم ڈیٹا منتقل کرسکیں گے۔یعنی آسان الفاظ میں قدرت نے ہمیں اس فریکوئنسی کے نظام کا پابند بنا دیا۔سائنسدان اورمحققین یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم کس طریقے سے ان فریکوئنسی کو استعمال کریں کہ ہمارے سگنل بھی دور تک جائیں،انرجی بھی کم لگے،اورہمیں یہ صلاحیت بھی حاصل ہوجائے کہ ہم زیادہ ڈیٹا منتقل کرسکیں۔مثلاً جب ہم سکس جی 6G کی بات کریں گے تو ہماری کوشش ہوگی کہ ہم جو سکس جی کے ٹاور دور دور لگائیں تاکہ ہمارا خرچہ کم ہو،مگر دوسری طرف ہماری یہ خواہش ہوگی کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ ڈیٹا ریٹ بھی ملے۔اگرسائنسدان میگا ہرٹز کو ہی استعمال کرتے ہیں تو پھر سکس جی اورتھری جی میں تو کوئی فرق نہیں رہا،اوراگرہم ٹیرا ہرٹز فریکوئنسی کی طرف جاتے ہیں تو ہمارا سگنل بہت زیادہ ڈیٹا منتقل کرسکے گا مگر اس کیلیۓ ہمیں ہر دو تین میٹر کے بعد اپنے ٹاور لگانے پڑیں گے جو کہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔یعنی سائنسدان بھی قدرت کے قوانین کے پابند ہیں اوراُنہی قوانین کے اندر رہتے ہوئے سائنسدانوں اور محققین کواپنی ایجادات کرنی پڑتی ہیں۔ اسی طریقے سے یہ بات بھی مدِ نظر رکھی جائے کہ یہ ایک ہی قسم کی فریکوئنسی مختلف جگھوں پر بیک وقت استعمال ہورہی ہوتی ہےاورخرچ کرنے سے ختم بھی نہیں ہوتی۔مثلاً ہم وائی فائی کے سگنل اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں،ہمارے پڑوسی بھی استعمال کرتے ہیں،اگرہم کسی شاپنگ مال میں چلے جائیں،وہاں پر بھی لوگ یہی وائی فائی کے سگنل استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح سے ہمیں دیگر ممالک میں بھی چلے جائیں تو وہاں پر بھی لوگ انہی وائی فائی کے سگنل کواستعمال کررہے ہوں گے، اسی فریکوئنسی بینڈ کواستعمال کرکے اپنے کمپیوٹر نیٹ ورک بنارہے ہوں گےاوریہی کچھ حال دیگرفریکوئنسی بینڈ اوراُن سے جڑی ٹیلی کام ٹیکنالوجیز کا بھی ہے۔ (جاری)

آخری قسط

فرشتوں کی دعاؤں کے مستحق خوش نصیب لوگ

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی ❖

انتظار کی گھڑیاں اور نماز: مسجد میں نماز کے لیے انتظار کی گھڑیاں نماز شمار ہوگی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی برابر نماز ہی میں رہتا ہے جب تک وہ اس کا انتظار کرتا ہے اور فرشتے اس کے لیے برابر دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے، کہتے ہیں اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔(۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو فرشتے اس کے لئے بھی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔(۲)

ان احادیث سے مسجد میں بیٹھ کر نماز کے انتظار کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں حدث کرنا فرشتوں کے استغفار سے محرومی کا باعث ہے۔ نماز کے بعد بیٹھنے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً انسان سنتوں کے بعد فرضوں کا انتظار کر رہا ہو، یا فرضوں کے بعد سنتوں کے لئے بیٹھا ہو، یا دوسری نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ یا ذکر اذکار میں مشغول ہو۔ ان شا اللہ اس فضیلت سے محروم نہیں ہوگا۔ لہٰذا مسلمان کو چاہیئے کہ لایعنی اور بے فائدہ مجالس ومشاغل کو چھوڑ کر مسجد کی مجلس اختیار کرے۔

رات کو وضو کر کے سونے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو رات کو وضو کر کے سوتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی باوضو رات گزارتا ہے، ایک فرشتہ اس کے پہلو میں رات گزارتا

❖ مرکزی صدر اسلامک رائٹرز موومنٹ، پاکستان

(۱) صحیح الترمذی: ۳۳۰ (۲) المسند: ۲/۳۰۶

ہے، جب بھی وہ بندہ رات کی کسی گھڑی میں بیدار ہوتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے، کیونکہ اس نے باوضو حالت میں رات گزاری ہے۔(۱) ایک اور حدیث میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان جسموں کو پاک کرو اللہ تمہیں پاکیزگی عطا فرمائے۔ جو بندہ بھی طہارت کی حالت میں سوئے یقیناً ایک فرشتہ اس کے ساتھ رات بسر کرتا ہے۔ جب بھی وہ شخص رات کے کسی وقت کروٹ بدلتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اپنے بندے کو معاف فرما، یقیناً وہ باوضو سویا تھا(۲)

باوضو ہوکر مسنون اذکار پڑھ کر سونے کی بہت برکات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر انسان رات کو کسی وقت لیٹے لیٹے بھی دعا کرلے تو ان شاء اللہ مقبول ہوتی ہے۔ اور اگر اٹھ کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو تو بڑی سعادت کی بات ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص باوضو ہوکر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے اور پھر رات کو کسی وقت اس کی آنکھ کھلے (اور بستر پر اپنا پہلو وغیرہ بدلے) اور اللہ سے دنیا و آخرت کی خیر میں سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا، اللہ اسے ضرور عطا فرمائے گا۔(۳)

سیدنا ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے باوضو ہوکر اپنے بستر پر جگہ پکڑی اور وہ رات کی جس گھڑی میں بھی پہلو بدلے گا (جب بھی بیدار ہوگا) اور اللہ سے دنیا و آخرت کی خیر میں سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا، اللہ اسے ضرور عطا فرمائے گا۔(۴) اسی لیے نبی ﷺ نے نیند سے پہلے وضو کرنے اور دعا پڑھ کر سونے کی فضیلت بیان کی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: جب تم اپنی خواب گاہ میں آؤ تو نماز کی طرح وضو کرو، پھر اپنے داہنی جانب پر لیٹ جاؤ اس کے بعد یہ دعا پڑھو: **اللهم اسلمت وجهِي اليك، وفوضت امرِي اليك، والجات ظهرِي اليك، رغبة ورهبة اليك، لا ملجاء ولا منجاء مِنك الا اليك، اللهم آمنت بِكتابِك الذى انزلت، وبِنبِيِك الذى ارسلت(۵)**

ترجمہ: اے اللہ! میں نے تجھ سے امیدوار اور خائف ہوکر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور (اپنا) ہر کام تیرے سپرد کردیا اور میں نے تجھے اپنا پشت و پناہ بنالیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) تیرے پاس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے

---

(۱) السلسلة الصحیحة: ۲۵۳۹ (۲) صحیح الجامع ۳۹۳۶: وصحیح الترغیب: ۵۹۹ (۳) صحیح ابی داؤد: ۵۰۴۲
(۴) حسنہ الالبانی فی الکلم الطیب: ۴۳ (۵) صحیح البخاری: ۲۴۷ ومسلم: ۲۷۱۰

نازل فرمائی ہے اور تیرے اس نبی پر (بھی) جسے تو نے (ہدایت خلق کے لئے) بھیجا ہے۔ پس اگر تو اسی رات میں مرا تو ایمان پر مرے گا اور اس دعا کو اپنا آخری کلام بنالے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سونے سے پہلے وضو کرے اور مذکورہ دعا پڑھ کر سو جائے اور اگر وہ مرجاتا ہے تو اس کی موت فطرت پر یعنی اسلام پر ہوگی۔

روزہ کی نیت سے سحری کرنے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو روزہ رکھنے کی نیت سے سحری کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالی ان لوگوں پہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے دعا کرتے ہیں جو سحری کرتے ہیں۔(۱)

تاجدار ختم نبوت پر درود بھیجنے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو نبی ﷺ پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، اب بندہ چاہے تو مجھ پر کم درود بھیجے یا زیادہ بھیجے۔(۲)

لوگوں کو نیکی وبھلائی کی تعلیم دینے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو لوگوں کو نیکی و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک عام آدمی پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے جو نیکی و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے خیر و برکت کی دعائیں کرتی ہیں۔(۳)

راہِ خیر میں خرچ کرنے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو راہِ خیر میں خرچ کرتا ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک

---

(۱) السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۶۵۴ (۲) صحیح ابن ماجہ: ۷۴۸ و صحیح الجامع: ۵۷۴۴ (۳) صحیح الترمذی: ۲۶۸۵ وصحیح الجامع: ۴۲۱۳

کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا متبادل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے (مال) کو ضائع فرمادے۔(۱)

وہ روزہ دار جس کے پاس کوئی روزہ افطار کرے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ روزہ دار ہے جس کے پاس لوگ کھانا کھائیں۔ حضرت ام عمارہ بنت کعبؓ کہتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ روزے سے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے سامنے جب کھانا کھایا جائے (اور وہ صبر کرے) تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں (۲)

بیماروں کی عیادت کرنے والے: فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بننے والے خوش نصیب لوگوں میں ایک وہ شخص ہے جو بیماروں کی عیادت کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان رتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے: جب آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرنے کے لئے آتا ہے تو وہ جنت کے باغیچے میں چلتا رہتا ہے حتی کہ آکر بیٹھ جائے، جب وہ بیٹھ جاتا ہے تو رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر صبح کے وقت ہو تو ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت میں ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت مریض کی عیادت کے لئے نکلے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں، سب کے سب اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہوتا ہے، جو شخص شام کے وقت مریض کی عیادت کے لئے نکلے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں، وہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے، اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہوتا ہے۔(۴)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مذکورہ اعمال کو اپنانے اور ان پر ہمیشہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم سب فرشتوں کی دعاؤں کے مستحق بن جائیں۔ (آمین یارب العالمین)

❁……❁……❁

(۱) صحیح البخاری: ۱۴۴۲، ومسلم: ۱۰۱۰
(۲) ابن ماجہ: ۱۷۴۸
(۳) السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۳۶۷
(۴) تخریج المسند: ۲/۲۰۶

قسط (۲)

خمخانۂ قاسمی کا ایک جرعۂ نوش

مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادیؒ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی ❖

''بندۂ ہیچمدان محمد قاسم بخدمت بابرکت وسراپا عنایت مولوی محمد صدیق صاحب زادکم اللہ علماً و کمالاً پس از سلام مسنون، لکھتا ہے کہ عنایت نامہ سرمایہ منت وموجب یادآوری ہوا۔ میں احباب کی عنایتوں کا شکر یہ ادانہیں کرسکتا۔ اُن کی محبت کا بدلہ کس طرح پیش کروں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں، البتہ ایک دعا ہے، اس کے علاوہ ہم تہی دستوں کے پاس کوئی تحفہ نہیں ہے۔ اگر وہ درگاہِ نیاز میں قبول ہوجائے تو اس سے دریغ نہیں۔ خداوندکریم مقاصد دلی تک پہنچائے۔ دنیا کو اگر دیکھا جائے تو وہ عاقلوں کے نزدیک متاعِ قلیل سے زیادہ نہیں ہے، اس کی طرف کیا نظر کی جائے، علم کا رکن اعظم حدیث وتفسیر ہے، تم ان دونوں علموں کو چھوڑ کر وطن مرادآباد چلے گئے، آخر وہ کون سی خوبی تھی جو اس خوبیٔ علم دین کے مقابلے میں نظر آئی کہ افتاں و خیزاں چلے گئے۔ عنایت فرمائے من دنیا کے غم ورنج یوں ہی آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے، جو ہر ذاتی اور وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا ومتاعِ قلیل کو حاصل کرنا یہ ''کارِ خردمنداں'' نہیں ہے۔ خلافت حضرت آدم علیہ السلام کا سرمایۂ استحقاق یہی ''وفورِ علم'' تھا اور نہ ''معصومیت ملائکہ'' اور ''فساد بنی آدم'' میں کلام نہ تھا، میری مصلحت دیدی یہ ہے کہ جب علم کو تم سے شروع کیا ہے تو ناتمام نہ چھوڑو، بس چھ مہینے یا ایک سال میں کتب مابقیہ ختم ہوجائیں گی۔ اگر تمہیں یہی اضطراب و تلون تھا تو پھر تم سے کہا کس نے کہ تم علم سیکھنا شروع کرو۔'' الخ

حکیم صاحب کے اشعار میں حضرت مولانا نانوتویؒ کا ذکر

آپ نے اپنے اشعار میں اپنے استاد ومرشد حضرت مولانا نانوتویؒ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں

❖ سابق استاذ حدیث مدرسہ اسلامیہ، جامع مسجد، امروہہ

کیا ہے۔ ذیل کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

ما غلامِ قاسم فرزانہ ام اے قاسمی ۞ نظم خوبم آبِ نظمِ قاسم دیوانہ(۱) ریخت
بسے چون قاسم دیوانہ را فرزانہ می سازد ۞ بہ بین صدیق فیض قاسم فرزانہ مارا
فیوض قاسم الخیراتؒ را صدیق می نازم ۞ رود دیوانہ گرد ر بزم او فرزا نمی آید

حضرت گنگوہیؒ سے تعلق

حضرت نانوتویؒ کے وصال کے بعد جب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مرادآباد تشریف لائے تو حکیم صاحب نے عرض کیا کہ شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر تو مکہ معظمہ میں بذریعہ عریضہ بھی وہاں اپنے حالات بھیجنا اور وہاں سے جواب آنا معمولی بات نہیں، اب ہم ''وابستگانِ دامنِ قاسمی'' کو کیا کرنا چاہئے؟ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اب ہندوستان میں ہم سب کے بڑے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ہیں، ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مولانا اپنے ہمراہ حکیم صاحبؒ کو دیوبند تک لے گئے۔ حکیم صاحبؒ دیوبند سے گنگوہ گئے اور کچھ دنوں حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کچھ توجہات اور عنایات فرمائیں اور حکیم صاحبؒ سے براہِ راست یوں فرمایا کہ ''مجھ کو مولوی محمد قاسمؒ کے خدام اپنے لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔''

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ دیوبند تشریف فرما ہوئے حکیم صاحبؒ مرادآباد سے دیوبند گئے، وہاں مظفر نگر کے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب سے (جو حضرت نانوتویؒ کے خدام میں سے تھے) مولانا گنگوہیؒ نے حکیم صاحبؒ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: ''ڈاکٹر صاحب مولوی محمد صدیق صاحبؒ سے ملئے یہ مولوی محمد قاسمؒ (صاحب) کے نمونہ ہیں اور اُن کی یادگار۔''

ایک بار حضرت گنگوہیؒ نے حکیم صاحب کی موجودگی میں یہ رباعی پڑھی:

مارا نہ مردی و رد خواں می باید ۞ نے زاہد و حافظ قرآں(۲) می باید
صاحب ردے سوختہ جاں می باید ۞ آتش زدۂ بجان و ماں می باید

مولانا محمد فاروق صاحبؒ نے اس رباعی کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ مولانا محمد حسن صاحب

---

(۱) قاسم دیوانہ۔ فارسی کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں، اُن کے مقابلے میں اپنے شعروں میں حکیم صاحبؒ نے اپنے استاذ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو قاسم فرزانہ کہا ہے اور کس عمدگی سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ (فریدی)

(۲) مولانا محمد فاروق صاحبؒ نے اس رباعی پر ایک نوٹ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حفظ قرآن وغیرہ یقیناً امور محمودہ ہیں لیکن وصول الی اللہ کے لئے بے تابی، بے قراری اور سوز وگداز زیادہ درکار ہے۔

مرادآبادیؒ، ساکن محلہ نواب پورہ (جو دورۂ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے) ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ہم نے حضرت گنگوہیؒ سے سوائے اس ایک شعر کے کوئی شعر نہیں سنا:

از ادب دور است رفتن بے طلب در بزم شاہ ۞ ورنہ پائے شوق را مانع در و دیوار نیست

اس کے ساتھ ہی ساتھ مولانا محمد حسن نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت والد ماجد صاحب (مولانا محمد صدیق صاحبؒ) نے (ایک دن) فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ وحضرت نانوتویؒ وغیرہما تلامذۂ مولانا مملوک صاحبؒ کو دہلی کے شعراء ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، اور امام بخش صہبائی وغیرہم کے مشاعرے کے مشاعرے یاد تھے، یہ ان حضرات کی عالی ظرفی ہے کہ زبان پر شعر کا نام تک نہیں آتا۔ فرماتے تھے کہ مولانا مملوک صاحبؒ مع اپنے تمام شاگردوں کے دہلی کے مشاعروں میں جایا کرتے تھے تاکہ طلباء میں جولائیٔ طبع پیدا ہو۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضرت گنگوہیؒ سے اور اشعار بھی تنہائی میں سنے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے:

عقل گوید شش جہت حدیشت بیروں راہ نیست ۞ عشق گوید ہست راہے بارہا من رفتہ ام

شیخ المشائخ سے اجازت بیعت

کسب طریقت میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ نے استفاضہ کیا ہے، آپ اپنے حالات حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھتے رہتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بلا طلب آپ کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست

قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کے علاوہ آپ کے اساتذۂ کرام حسب ذیل ہیں:

تجوید: قاری محمد تقی صاحب بچھرایونی (شاگرد حضرت قاری نجیب اللہ) سے حاصل کی۔

خوشنویسی: میں دو استاد تھے (۱) مولوی محمد عنایت حسین، خوشنویس مرادآبادی ساکن محلہ نواب پورہ۔ (۲) مولوی الٰہی بخش صاحب مرجان راقم رامپوری۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس اور مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ مدرس دوم کے علاوہ مولانا فتح محمد اور مولانا محمد فاضل متعلمان دارالعلوم سے بھی پڑھا۔

میرٹھ میں: حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ سے اور خورجہ میں حضرت محدث امروہیؒ سے پڑھا۔

علم حدیث کی سند آپ کو حضرت مولانا سید عالم علی صاحبؒ (نگینوی مولداً، مرادآبادی سکناً و مدفناً) سے بھی ہے جو کہ شاگرد خاص تھے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مہاجرؒ (نواسہ شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ) کے مولانا سید عالم علی صاحبؒ نے حکیم صاحبؒ کو اُن کی نابینائی کی حالت میں ہی وصیت فرمائی تھی کہ حدیث وتفسیر ہمیشہ پڑھاتے رہنا۔ حکیم صاحبؒ نے اس کی حتی الامکان تعمیل کی اور تا آخر عمر جب تک قویٰ نے کام دیا اپنے یہاں سہ پہر کو خالصاً لوجہ اللہ تفسیر وحدیث کا درس دیا۔

نظم فارسی میں آپ کے پہلے استاذ سید عبدالرشید غازی پوری ثم مرادآبادی تھے، جن کو ایرانی استاذ سے تلمذ تھا۔ آخر میں آغا کمال الدین سنجر طہرانی سے رامپور میں ملاقات ہوئی اور فتح یونان کی مبارک باد اور خلیفة المسلمین سلطان عبدالحمید خاں صاحب کی تعریف میں جو تازہ قصیدہ لکھا تھا آغا صاحب کو سنایا، یہ (۱۰۳) اشعار کا قصیدہ تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ اپنا کل کلام حکیم صاحبؒ نے آغا صاحب کو بہ نظر اصلاح دکھا دیا، مرادآباد سے کچھ حصہ نقل کرکے آغا صاحب کے پاس بھیج دیا جاتا تھا اور وہ اس کو دیکھ کر اور کہیں کہیں تغیر فرما کر واپس کر دیتے تھے۔ آغا صاحب نے بہت سے اشعار پر صاد بنائی۔ بہت سے شعروں پر بسیار خوب لکھا۔ کسی کسی شعر پر تحریر کیا ''بفہم نیاید'' بہت جگہ حکیم صاحبؒ کا مضمون اعلیٰ وارفع تھا اور آغا صاحب کی اصلاح سے مضمون پہلے کے مقابلے میں گر گیا جس سے سمجھا گیا کہ آغا صاحب کا خیال اصل معنی تک نہیں پہنچا۔

حافظہ

آپ کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ کا حافظہ بہت قوی اور بہترین تھا۔ آپ جب رات کو بسترِ خوابِ راحت پر لیٹتے تو جس زمانہ میں آپ کی طبیعت نظم کی طرف متوجہ ہوتی تھی دس پندرہ اشعار سوتے وقت کہہ لیتے تھے اور صبح کو بغیر سوچے اُن کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے بیس بیماروں کی نبض دیکھی اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حال سنا، مرض بھی سب کے مختلف تھے، مکان پر آکر بلا تکلف ترتیب وار ہر ایک کو نسخہ لکھا اور غذا بتائی۔ جب کبھی کسی نے کوئی شعر یا بات دریافت کی کہ کہاں ہے اور کس نے ایسا لکھا ہے، فوراً بتا دیا کرتے تھے کہ فلاں صاحب نے فلاں کتاب میں فلاں صفحہ وسطر میں لکھا ہے۔

حکمت کے متعلق کوئی بیان دیکھنا ہوا یا کوئی نسخہ نکالنا ہوا تو فرمایا کہ فلاں کتاب لاؤ اور میرے سامنے سدھی کر کے رکھ دو، انداز سے اسے کھولا اور فرمایا کہ اول سطر سناؤ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہی صفحہ نکل آتا، ورنہ داہنے اور بائیں ایک آدھ ورق لوٹا اور فرما دیا کہ یہاں فلاں سطر پڑھو جو بات دیکھنی ہوتی وہیں نکلتی تھی، یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ آپ کی نظر کو گئے ہوئے چالیس پچاس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔

مثنوی مولانا رومؒ

مثنوی مولانا رومؒ ایک بحر ذخار ہے، آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کسی نے مثنوی کا پہلا مصرعہ کہیں سے پڑھ دیا تو آپ نے دوسرا مصرعہ پڑھ دیا اور دوسرا پڑھا تو آپ نے پہلا پڑھ دیا اور ساتھ ہی ساتھ بہت سے اشعار مثنوی کے ترتیب وار سنا دیئے۔ دیوان حافظ اور مثنوی پڑھانا بھی آپ کا حصہ تھا۔ مولوی محمد دین

صاحب پنجابی ایک جامع منقول ومعقول شخص تھے، ان کو مثنوی پڑھنے کا شوق ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد صدیق صاحب مرادآبادیؒ سے بہتر اس وقت ہندوستان میں کوئی مثنوی پڑھانے والانہیں، وہ صرف مثنوی پڑھنے مرادآباد آئے اور تمام حواشی اور شرح بحرالعلوم کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کرکے مثنوی پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بارہا فرمایا کہ مولانا بحرالعلومؒ مولانا محمد صدیقؒ کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ جب یہ مطلب بیان کرتے ہیں تو اکثر مواقع میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بحرالعلومؒ مطلب کو پہنچے ہی نہیں، وہ کہتے تھے کہ بحرالعلوم بہت بڑے شخص ہیں، مگر تصوف میں مولانا محمد صدیق صاحب سے پیچھے ہیں۔

معمولات

مولانا محمد فاروق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: ’’آپ نے بچپن ہی سے شرک و بدعت کے خلاف جہاد شروع کردیا تھا، توحید وسنت کے رواج دینے کی طرف مائل تھے، **لایخافون لومة لائم** کے مصداق تھے، اذکار واشغال اور تہجد کے لئے رات وقف تھی۔ علاوہ فرائض وواجبات اور سنن موکدہ کے بعد مغرب میں بیس رکعات نفل پڑھتے تھے اور نماز اشراق وچاشت تک قضا نہ ہوتی تھی۔‘‘

مطلب

اپنے نانا حکیم محمد عطا حسین صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سے التزاماً صبح کے وقت مطب کرتے تھے، اس سے پہلے خورجہ ضلع بلند شہر میں مطب کیا تھا، جس کا ذکر آگے آرہا ہے، آپ کے مطب میں مشکل مشکل امراض کے مریض دہلی ولکھنؤ جیسے مرکزی مقامات سے مایوس ہوکر آتے اور آپ کے ہاتھ سے بفضلِ الٰہی شفایاب ہوتے تھے، آپ کے طبی کمالات لکھنے کے لئے ایک مستقل دفتر چاہئے۔ مولانا محمد فاروقؒ نے اس سلسلے میں بہت سے حیرت انگیز واقعات لکھے ہیں، نبض میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی جو کرامت کے درجے پر پہنچی ہوئی تھی۔ حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی مرحوم سے جب آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ’’میں نے آپ کی نباضی کی بہت تعریف سنی ہے‘‘ فنِ طب میں کمال حاصل ہونا بھی پیر ومرشد کی توجہ کا نتیجہ تھا۔ آپ نے خورجہ میں حضرت محدث امروہیؒ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے قیام فرمایا تھا، وہاں مدت تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ آپ کو طب میں دخل ہے۔ آخر بعض معرکۃ الآراء علاج کرنے کی وجہ سے آپ کا تمام میں شہرہ ہوگیا، مگر تعلیم میں حرج واقع ہونے کے خوف سے آپ مستقل مطب نہیں کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد آپ کے پیر ومرشد حضرت قاسم العلومؒ خورجہ تشریف لائے، بعض لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی محمد صدیق صاحب بہت اچھے حکیم ہیں، مگر مطب نہیں کرتے۔ اگر حضرت حکم دیدیں تو مخلوقِ خدا کو بہت نفع پہنچے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم صاحب سے فرمایا کہ آپ جب طبیب ہیں تو مطب کیوں نہیں کرتے؟ مطب کیا کیجئے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی

گئی، پھرتو حکیم صاحب کی طرف خلقت بہت زیادہ رجوع ہوئی۔ نبض دیکھ کر حالات سننے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، اکثر سابقہ اور آئندہ کے حالات بیان کردیتے تھے، آپ کا قاعدہ آج کل سے معالجوں کا سا نہ تھا کہ مریض کے سامنے دل شکن باتیں جلب منفعت کے لئے کرنا شروع کردیتے۔ اگر آپ کی تشخیص یہ ہوتی کہ مریض بچنے کا نہیں تو اپنے احباب سے فرمادیا کرتے تھے (مریض اور مریض کے تیمارداروں سے نہیں) اگر مرض توجہ کے ساتھ علاج کرنے کے قابل ہوتا تو آپ علیحدہ مریض کے تیمارداروں اور سنجیدہ احباب واعزاء سے فرمادیا کرتے تھے کہ اس کو فلاں مرض (مثلاً دق یا سل) ہے اور ابھی قابل علاج ہے، بہت خیال کرکے علاج کرنے سے آرام ہوسکتا ہے۔ اگر اس وقت غفلت ہوئی تو پھر مرض قابلِ علاج نہ رہے گا۔ مقصود علاج کی طرف متوجہ کرنا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ جو شخص تمہارے پاس بغرض علاج آئے تو چاہے وہ تمہارا جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو اس کا علاج بہت غور سے اس طرح کرنا جیسا کہ کسی خالص دوست کا کرسکتے ہو۔ اگر اس کے خلاف کیا تو خداوند عالم کے دربار میں گرفت کی جائے گی اور مواخذہ ہوگا۔

نباضی کے دو محیّر العقول واقعات

(۱) ایک شخص نے آپ کو نبض دکھائی، آپ نے فرمایا تمہاری نبض میں سنکھیا کا اثر ہے۔ اس نے کہا کہ سنکھیا میں نے کبھی نہیں کھایا۔ فرمایا کہ نبض میں تو اثر ہے، غور کرو۔ انہوں نے بہت سوچا اور سوچ کر اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا کہ سر پر ورم ہوگیا تھا اور اس کو آرام نہ ہوتا تھا۔ ایک ڈاکٹر نے سر پر شگاف دیا، اندر کیڑے نکلے، صاف کرکے زخم میں سنکھیا بھر دیا تھا، اس سے آرام ہوا تھا۔ دیکھئے بچپنے کے جلدی اثر کو مریض کی عمر کے آخری حصے میں آپ نے نبض سے کس طرح شناخت کرلیا۔ (۲) مرادآباد محلہ کسرول کے ایک صاحب پولیس ٹریننگ اسکول میں ماسٹر تھے، ایک شریر گھوڑی پر سوار جارہے تھے کہ اس نے ایک موڑ پر اُن کو گرادیا، اُن کو فوراً مکان پر لایا گیا اور وہ قبیل مغرب انتقال کرگئے۔ رات کو جب اُن کو غسل دینے کے لئے تختے پر اتارا تو بعض اعضاء میں حرکت سی معلوم ہوتی تھی، فوراً ایک شخص سول وسرجن کو لینے گیا اور ایک آدمی حضرت حکیم صاحب کو لینے آیا، جب حکیم صاحب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سول سرجن ابھی دیکھ کر چلا گیا ہے اور یہ کسی نے نہ بتایا کہ سول سرجن نے کیا کہا ہے؟ حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور فرمایا کہ ضرب داہنی طرف ہے اور اب ان میں کچھ نہیں رہا۔ سب ششدر رہ گئے کہ مُردے کی نبض دیکھ کر یہ بتادیا کہ اس سمت میں ضرب آئی ہے، دیکھا گیا تو اسی سمت میں ضرب تھی، ہاتھ میں کہیں دور تک ضرب کے آثار نہ تھے، اُس وقت لوگوں نے کہا کہ دیکھئے ”حکیم صاحبؒ نے سول سرجن سے بھی زائد بتادیا۔ سول سرجن نے آنکھوں سے دیکھا، آلات سے دیکھا اور آپ نے فقط نبض دیکھی اور یہ بھی بتادیا کہ ضرب اس سمت میں ہے۔ (جاری)

قسط (۳۰)

علم کلام جدید

تعارف، مسائل اور مباحث: اصولِ نانوتوی کی روشنی میں

حکیم فخرالاسلام ❖

اجزائے انسانی کے افعال وخواص

''عقل سے غرض اصلی نیک وبد کی تمیز اور بھلے برے کو پہچاننا ہے۔

اور شوق کا کام بھلی بات کی طرف ارادے کا ابھارنا ہے۔

اور خوف کا کام بری بات سے ارادے کا ہٹانا۔

اور ارادے کا کام قوت سے خدمت لینی۔

اور قوت کا کام ہاتھ، پاؤں سے بیگار لینی۔

مگر اِن سب کی اصل دو باتیں ہیں: ایک تو وہی عقل مذکور، دوسری وہ 'جوہر' کہ جس سے عمل ہو سکے۔ چوں کہ اخیر کی چار باتیں[۱-شوق ،خوف ۔۲- ارادہ ، اختیار ۔۳- قدرت ، طاقت ۔۴-اعضاء] اِسی[عمل کی]غرض کے لیے ہیں، اِس لیے اِن سب کو ملا کر ہم ایک نام، یعنی 'قوتِ عمل' تجویز کرتے ہیں۔''

عقل حاکم ،قوتِ عمل محکوم

اِس طرح ''عقل اور قوتِ عمل میں رابطہ، حاکم اور محکوم کا سا ہے، کہ حاکم بالا دست یعنی خالق عالم نے اول [یعنی عقل] کو حاکم اور دوسرے [یعنی قوتِ عمل] کو محکوم بنا دیا ہے۔'' اور اگر کبھی قوتِ عمل، خواہش کے غلبہ کے سبب عقل کی تعمیلِ احکام میں کوتاہی کرے، تو اِس سے عقل کا نفع حاصل نہ ہونا اور نقصان کا پہنچنا لازم آئے گا، عقل کے حاکم ہونے کا منصب جاتا نہیں رہے گا۔(۱)

❖ فاضل درسیات، بی یو ایم ایس علی گڑھ۔ ایم ڈی یونانی جامعہ ہمدرد، دہلی

(۱) تقریر دل پذیر ص ۱۴۰، ۱۴۱

۱۰- ہدایتِ عقل- تقاضائے عمل

''اب سنیے! کہ جب عقلِ مفرد کا کام تمیز و تعیینِ نیک و بد ٹھہرا اور قوتِ عمل کا کام عمل کرنا، تو''
عقل کی حکومت اور قوتِ عمل'' کی محکومی کے لحاظ سے مجموعۂ مرکب [انسان] کا کام نفع کے کام کرنے اور نقصان کے کاموں سے بچنا ٹھہرا، تو اِس صورت میں: [یہ امر واضح ہو گیا کہ] بے شک بعضے کام بھلے اور بعضے برے ہوں گے، ورنہ عقل کس کو تمیز کرے گی اور قوتِ عمل کس بات میں عقل کی تابع داری کرے گی!''

نفع، نقصان عقل ہی کا

قوتِ عمل سے نفع، نقصان عقل ہی کا ہوتا ہے۔ اِس کی دو وجہیں ہیں:

۱- آلہ محض ہونا: پہلی وجہ یہ ہے کہ عقل کے سامنے قوتِ عمل کا وہی مرتبہ ہے جو کاتب کے آگے قلم کا، یا بڑھئی کے سامنے بسولے کا۔ ''جیسے قلم، یا بسولا اپنے لیے کچھ نہیں کرتے، نفع، نقصان اُن کے کاموں کا جو کچھ ہے [وہ] کاتب، یا بڑھئی کو پہنچتا ہے [ایسے ہی قوتِ عمل اپنے لیے کچھ نہیں کرتی، اُس کے کاموں کا نفع، نقصان جو کچھ ہے، وہ عقل کا ہے]۔ اور [اِس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ] اگر کسی کام میں قلم ٹوٹ جاتا ہے یا بسولا جھڑ جاتا ہے، ...... دونوں صورتوں میں عاقلوں کے نزدیک بڑھئی اور کاتب ہی کا نقصان ہے، قلم اور بسولے کا عقل کے نزدیک کچھ نقصان نہیں۔''

۲- غیر ذوی العقول ہونا: دوسری وجہ یہ ہے ''کہ نفع و نقصان- بعد غور کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ- راحت و رنج سے بھی تعلق رکھتا ہے، [جب کہ] قلم اور بسولا [غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے] اِن دونوں سے پاک ہیں۔ [تو جیسے قلم، یا بسولا کے کام کا نفع، نقصان کاتب، یا بڑھئی کا ہے] اُسی طرح قوتِ عمل جو کام کرتی ہے، حقیقت میں اپنے لیے نہیں کرتی''؛ بلکہ [عقل کے لیے کرتی ہے] تو قوتِ عمل کے نفع ونقصان سے راحت و رنج بھی عقل ہی کو ہوگا۔

نفع، نقصان جسم و روح کا

پھر، نفع و نقصان نہ صرف عقل کا؛ بلکہ درحقیقت جسم، جان و روح کا ہے، کیوں کہ جان اور روح کا مرتبہ وہ ہے کہ خود عقل بھی اُن کے سامنے وزیر و مشیر سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی۔

خبر نامہ

احوال وکوائف

ایک اہم علمی محاضرہ کا انعقاد

مورخہ ۴؍ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق ۸؍اکتوبر ۲۰۲۴ء بروز منگل حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کے قاعۃ الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی میں ’’علم حدیث تاریخی ارتقا اور تدوینی مراحل‘‘ کے عنوان سے ایک اہم علمی محاضرہ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں دارالعلوم وقف دیوبند نائب مہتمم اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب نے اپنا پرمغز محاضرہ پیش فرمایا۔ جس میں انہوں نے علم حدیث کا تعارف کراتے ہوئے صحت حدیث پر واقع ہونے والے شکوک کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے معترضین کی جانب سے پیدا کئے گئے ان شکوک کا بھی ازالہ کیا۔ نیز سنت قولی، سنت فعلی، روایت، درایت کی اقسام وحی اور کتب حدیث کی اقسام پر بھی گفتگو کی۔ دوران محاضرہ انہوں نے کہا کہ احادیث کی تدوین ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال اس کائنات میں کسی بھی مذہب یا جماعت میں نہیں ملتی ہے اسی بناء پر علم حدیث کا یہ امتیاز ہیکہ ہر دور میں اس کے محافظین کی ایک بڑی تعداد رہی ہے۔ انہوں نے حدیث وسنت کی تعریف کرتے ہوئے ان کے مابین فرق کو بھی تفصیل سے واضح کیا۔ حدیث کی اقسام کو واضح کرتے ہوئے علم حدیث کی تدوین اور مختلف عہد وقرن میں اس کی ارتقاء کی کوششوں اور تاریخ حدیث پر ہونے والے کاموں کو بھی وضاحت سے بیان کیا۔ کتابت حدیث کی ممانعت اور اجازت کے احوال بیان کرتے ہوئے مختلف عہد میں کتابت حدیث کے باب میں ہوئی کوششوں کو بھی بیان کیا۔ منکرین حدیث کے نظریات ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ ان کے یہ نظریات دراصل مغربی افکار ونظریات کی دین ہے۔ اسی تناظر میں انہوں مستشرقین کی جانب سے علم حدیث پر وارد ہونے والے اعتراضات اور اس کے جوابات بھی دیئے۔ مختلف ادوار میں علم حدیث کے باب میں برصغیر کی غیر معمولی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے موجودہ دور کے تقاضے اور اس عہد میں علم حدیث پر مختلف ناحیوں سے کام کرنے کی ضرورتوں کو بھی واضح کیا۔ محاضرہ کے آخر میں انہوں نے طلبہ کے سوالات کے بھی تشفی بخش جوابات دیئے۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

ابتدائی عربی درجات کی غیر معمولی تعلیمی اہمیت کے پیش نظر حسب معمول سابق ماہانہ امتحان کا انعقاد مورخہ ۲۷/ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ کو ماہِ ربیع الثانی کا ماہانہ امتحان منعقد کیا گیا۔ امتحان میں طلبہ نے اپنی حسنِ لیاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا، وہیں حضرات ممتحنین نے بھی کلماتِ تحسین رقم فرمائے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کی۔

معروف عالم دین مولانا ندیم الواجدی صاحب کی رحلت

معروف عالم دین، نامور قلم کار، بے شمار کتابوں کے مصنف، ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' کے مدیر، مشہور مطبع دارالکتاب دیوبند کے مالک، گوناگوں اوصاف و شمائل کے حامل محترم جناب مولانا ندیم الواجدی صاحبؒ دوران سفر امریکہ مختصر علالت کے بعد ۱۴/اکتوبر ۲۰۲۴ء کو راہی ملک عدم ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک جید عالم دین، پختہ قلم کار تھے۔ ان کی تحریریں شدتِ اشتیاق سے پڑھی جاتی تھیں۔ انتہائی نفیس طبیعت کے مالک، سنجیدہ و متین فکر کے حامل، شستہ انداز رہن سہن ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ادارہ میں ان کی وفات کی اطلاع ملتے ہی ایصال ثواب و دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ ادارہ کے روح رواں و مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ نے اُن کے صاحبزادے جناب مولانا ڈاکٹر یاسر ندیم الواجدی صاحب کے نام ایک تفصیلی تعزیتی مکتوب بھی جاری فرمایا۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، ایکسس بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA

(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292

AXIS BANK

(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	915010029212886
BANK	:	AXIS BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	AXISINBB
IFSC CODE	:	UTIB0002426

HDFC BANK

(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554

Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139

Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/2023-25

Vol: 16
Issue : 05
Jamadil Awwal - 1446
Nov - 2024

دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10 / 9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603